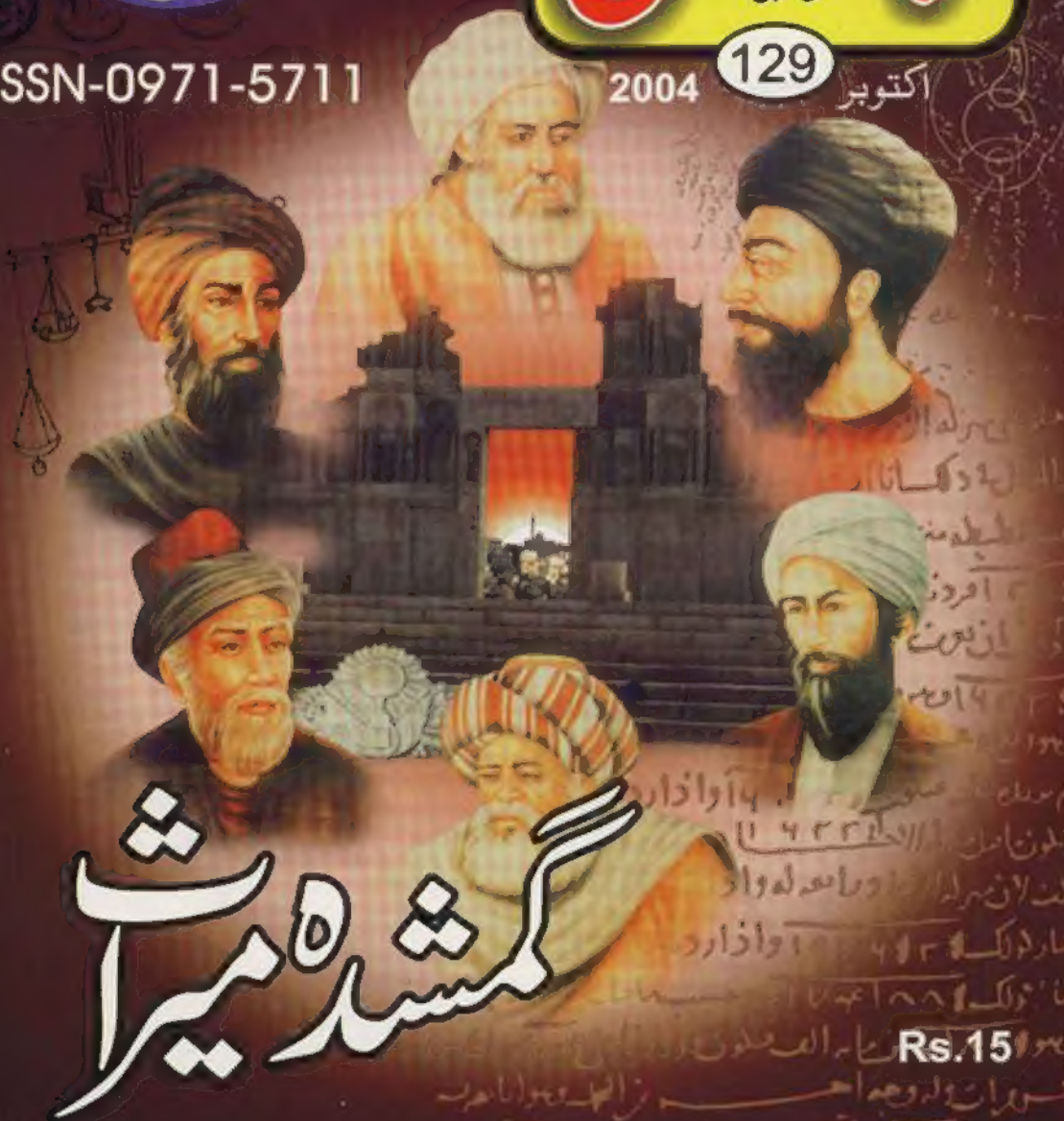




ISSN-0971-5711

اکتوبر 2004 129



گمشدہ میراث

Rs.15

*Secret of good mood
Taste of Karim's food*

BORN IN 1913



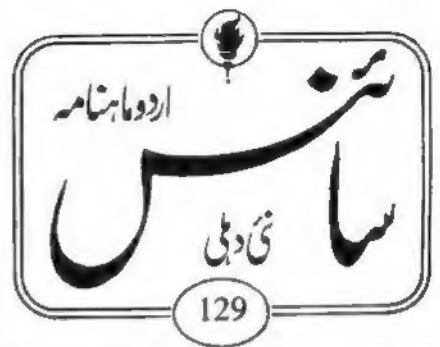
KARIM'S

JAMA MASJID, 326 4981, 326 9880 Hzt. NIZAMUDDIN. 463 5458, 469 8300

Web Site : <http://www.karimhoteldelhi.com>

E-mail : khpl@del3.vsnl.net.in Voice mail : 939 5458

ہندوستان کا پہلا سائنسی اور معلوماتی ماہنامہ
اسلامی فاؤنڈیشن برائے سائنس و ماحولیات نیز
انجمن فروغ سائنس کے نظریات کا ترجمان



فہرست

- پیغام..... 2
ڈائجسٹ..... 3
گشودہ میراث..... ڈاکٹر عید الرحمن..... 3
اسلام اور علم..... ڈاکٹر افتد ار حسین فاروقی..... 7
مالی اور افریقہ کا
مدیتہ علم ٹیکنو..... پروفیسر سعید الطغر چغتائی..... 11
علم طب اور اطباء عرب..... ڈاکٹر بدر الدینی..... 19
تعلیم کا چیلنج..... پروفیسر عتیق احمد صدیقی..... 22
ایک ستم رسیدہ محقق..... طارق ندوی..... 30
مسلمان اور فن..... آفتاب احمد..... 33
سائنس سب علوم (نظم)..... ڈاکٹر احمد علی برقی..... 41
پیش رفت..... ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی..... 43
لائٹ ہاؤس..... 44
لوبا: مضبوط عنصر..... عبداللہ جان..... 44
سمندر میں آواز کا ذریعہ..... بہرام خاں..... 47
سائنس کو ترزا..... محمد محبوب عالم..... 50
کسوٹی..... ادارہ..... 52

جلد نمبر (11) اکتوبر 2004ء شماره نمبر (10)

ایڈیٹر: ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

مجلس ادارت:	قیمت فی شمارہ = 15 روپے
ڈاکٹر شمس الاسلام فاروقی	5 ریال (سودی)
عبداللہ ولی بخش قادری	5 درہم (عربی)
ڈاکٹر شعیب عبداللہ	2 ڈالر (امریکی)
عبدالودود انصاری (سربراہ)	1 پاؤنڈ
آفتاب احمد	زیر سالانہ:
فہمیدہ	180 روپے (سودا ڈاکے)
	360 روپے (ذریعہ ریزی)
مجلس مشوروت:	برائے غیر ممالک
ڈاکٹر عبدالمعش (کمبرج)	(بھائی ڈاکے)
ڈاکٹر عابد معز (ریاض)	60 ریال (دورہم)
امتیاز صدیقی (جدہ)	24 ڈالر (امریکی)
سید شاہد علی (لندن)	12 پاؤنڈ
ڈاکٹر لیلیٰ محمد خاں (امریکی)	اعانت تاعمر
شمس تبریز عثمانی (دہلی)	3000 روپے
	350 ڈالر (امریکی)
	200 پاؤنڈ

Phone : 3240-7788
Fax : (0091-11)2698-4366
E-mail : parvaiz@ndf.vsnl.net.in

خط و کتابت : 665/12 ڈاکر گھر، نئی دہلی-110025

اس ادارے میں سرخ نشان کا مطلب ہے کہ
آپ کا ذرا سالانہ ختم ہو گیا ہے۔

سرورق: جاوید اشرف

نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے.....!

- ☆ علم حاصل کرنا ہر مسلمان مرد و عورت پر فرض ہے اور اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی آخرت میں جواب دہی کا باعث ہوگی۔ اس لیے ہر مسلمان کو لازم ہے کہ اس پر عمل کرے۔
- ☆ حصول علم کا بنیادی مقصد انسان کی سیرت و کردار کی تشکیل، اللہ کی عبادت اور مخلوق کی خدمت ہے۔ معیشت کا حصول ایک ضمنی بات ہے۔
- ☆ اسلام میں دینی علم اور دنیاوی علم کی کوئی تقسیم نہیں ہے، ہر وہ علم جو مذکورہ مقاصد کو پورے کرے، اس کا اختیار کرنا لازمی ہے۔
- ☆ مسلمانوں کے لیے لازم ہے کہ وہ دینی اور عصری تعلیم میں تفریق کے بغیر ہر مفید علم کو ممکن حد تک حاصل کریں۔ انگریزی اسکولوں میں تعلیم پانے والے بچوں کی دینی تعلیم کا انتظام گھروں پر، مسجد یا خود اسکول میں کریں۔ اسی طرح دینی درس گاہوں میں پڑھنے والے بچوں کو جدید علوم سے واقف کرانے کا انتظام کریں۔
- ☆ مسلمانوں کے جس محلہ میں، مکتب، مدرسہ یا اسکول نہیں ہے، وہاں اس کے قیام کی کوشش ہونی چاہئے۔
- ☆ مسجد کو اقامت صلوٰۃ کے ساتھ ابتدائی تعلیم کا مرکز بنایا جائے۔ ناظرہ قرآن کے ساتھ دینی تعلیم، اردو اور حساب کی تعلیم دی جائے۔
- ☆ والدین کے لیے ضروری ہے کہ وہ پیسہ کے لالچ میں اپنے بچوں کی تعلیم سے پہلے کام پر نہ لگائیں، ایسا کرنا ان کے ساتھ ظلم ہے۔
- ☆ جگہ جگہ تعلیم بالغاں کے مراکز قائم کیے جائیں اور عمومی خواندگی کی تحریک چلائی جائے۔
- ☆ جن آبادیوں میں یا ان کے قریب اسکول نہ ہو وہاں حکومت کے دفاتر سے اسکول کھولنے کا مطالبہ کیا جائے۔

منجانب

- (1) مولانا سید ابوالحسن علی ندوی صاحب (لکھنؤ)، (2) مولانا سید کلب صادق صاحب (لکھنؤ)، (3) مولانا ضیاء الدین اصلاحی صاحب (اعظم گڑھ)، (4) مولانا مجاہد الاسلام قاسمی صاحب (پجلواری شریف)، (5) مفتی منظور احمد صاحب (کانپور)، (6) مفتی محبوب اشرفی صاحب (کانپور)، (7) مولانا محمد سالم قاسمی صاحب (دیوبند)، (8) مولانا مرغوب الرحمن صاحب (دیوبند)، (9) مولانا عبداللہ اجاروی صاحب (میرٹھ)، (10) مولانا محمد سعود عالم قاسمی صاحب (علی گڑھ)، (11) مولانا مجیب اللہ ندوی صاحب (اعظم گڑھ)، (12) مولانا کاظم نقوی صاحب (لکھنؤ)، (13) مولانا مقتدا احسن ازہری صاحب (بنارس)، (14) مولانا محمد رفیق قاسمی صاحب (دہلی)، (15) مفتی محمد ظفر الدین صاحب (دیوبند)، (16) مولانا توقیف رضا صاحب (بریلی)، (17) مولانا محمد صدیق صاحب (بھنورا)، (18) مولانا نظام الدین صاحب (پجلواری شریف)، (135) (9) مولانا سید جلال الدین عمری صاحب (علی گڑھ)، (20) مفتی محمد عبدالقیوم صاحب (علی گڑھ)۔

ہم مسلمانان ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ مذکورہ تجاویز پر اخلاص، جذبہ، تنظیم اور محنت کے ساتھ عمل پیرا ہوں اور ہر اس ادارہ، افراد اور انجمنوں سے تعاون کریں جو مسلمانوں میں تعلیم کے فروغ اور ان کی فلاح کے لیے کوشش کر رہے ہیں۔



گمشدہ میراث کی بازیافت (سائنسی معلومات کے حوالے سے)

کی تہذیبوں میں سائنس کا زوال سولہویں صدی سے شروع ہو گیا۔ اور اب جو عالم ہے وہ جگہ ٹاہر ہے۔ آج مسلمان تعلیمی اور تحقیقی اعتبار سے دنیا کی پسماندہ ترین جماعتوں میں سے ہیں۔ ہم اگر حصول علم، کمال اور زوال کے ادوار پر نظر ڈالیں تو بہت سی باتیں صاف ہوتی جائیں گی۔

عام طور پر سائنس کو مذہب یا اسلام مخالف سمجھا جانے لگا۔

حالانکہ یہ محض ہماری کوتاہیوں اور کتاب اللہ یعنی قرآن سے دوری کا کھلا ثبوت ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ سائنس مذہب کی ضد نہیں بلکہ خدا کے اور اک کا ایک مستحکم ذریعہ ہے حقیق اور دانشور مورس بوکائے اپنی معرکہ آرا کتاب ”بائبل“ قرآن

اس زوال کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ زوال دراصل مسلمانوں کے اندر سے ہی شروع ہوا۔ وہ جہاد سے روٹھے، تعقل اور تفکر سے دور ہوئے، عزم و رزم سے گئے تو قدرت نے بھی اپنی ہمدردیاں اور فیاضیاں دوسروں کو منتقل کر دیں۔

اور سائنس “(اردو ترجمہ شاہ الحق صدیقی، ادارہ القرآن والعلوم الاسلامیہ، کراچی 1985) میں لکھا ہے کہ قرآن کریم میں مقدس بائبل سے کہیں زیادہ سائنسی دلچسپی کے مضامین زیر بحث آئے ہیں اور کوئی بیان بھی ایسا نہیں ہے جو سائنسی نقطہ نظر سے متصادم ہوتا ہے۔ یہ وہ بنیادی حقیقت ہے جو ہمارے جائزہ لینے سے ابھر کر سامنے آئی ہے۔ آنحضرتؐ نے تقریباً 23 سال کی مدت میں اہل عرب کی کتاب و سنت کی روشنی میں تعلیم و تربیت فرمائی اور یہ اصول

سر سید احمد خاں نے سائنس اور ٹیکنالوجی کی معلومات کو عام کرنے کے لئے اپنی بھرپور کوششیں کیں۔ انھوں نے اپنی تقریروں اور ”تہذیب الاخلاق“ میں اپنی تحریر کے ذریعہ اُسے عوامی تحریک کی شکل دی تاکہ لوگ جذبات پر عقل اور تقلید پر جستجو کو اہمیت دیں اور اپنی طرز فکر کو سائنسی سانچے میں ڈھالیں۔ سر سید احمد خاں کی یہ باتیں ہمیں کیوں اچھی نہیں لگیں اور ہم نے اپنا انداز حیات

کیوں نہیں بدلایا غور طلب ہے۔ اس کی ایک بنیادی وجہ یہ سمجھ میں آتی ہے کہ ہماری قوم ہل چل رہی ہے۔ وہ کورانہ تقلید کو اس لئے پسند کرتی ہے کہ اس میں دماغ کا استعمال ضروری نہیں ہوتا جبکہ جستجو، تجزیہ اور تدبیر و تفکر کے لئے ریاضت

درکار ہے۔ افسوس اس لئے زیادہ ہوتا ہے کہ ہم شروع سے تو ایسے نہیں تھے۔ ہماری تاریخ اس کی شاہد ہے کہ ساتویں صدی سے چودھویں صدی تک عربوں اور دوسرے مسلمانوں نے سائنسی علوم کو فروغ دیا اور ان پر بہت ترقیاں کیں۔ اس بات کا معترف انتہائی متعصب مغرب پرست بھی ہے کہ اسلام کی تہذیبوں نے مغرب کو ترقی کی راہیں دکھائیں اور نظری و عملی فکر کی وہ بنیادیں فراہم کیں جن پر مغرب نے ترقی کی اپنی عمارت قائم کی۔ مگر اسلام



ذائقہ

دیا کہ ترقی پسند اور پیش قدم قوم عالمی علم و فضل کی وارث ہوتی ہے اور آگے بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تقریباً آٹھ سو سال تک اسلامی تہذیب و تمدن نے علم و فضل، سائنس اور ٹیکنالوجی اور فنون لطیفہ کے میدان میں مشرق و مغرب کے لاتعداد خطوں کو روشنی عطا کی۔ شہر قرطبہ میں اگر 3800 مساجد، لاکھوں مکانات، ہزاروں محلات اور سیکڑوں ہوٹل تھے تو بے شمار لائبریریاں بھی موجود تھیں۔ یہ بغداد کا ہمسرہ تھا اور اہل یورپ اسے زیور عالم کہتے تھے۔ نواس حکمران حکیم ثانی (961 تا 976ء) ابن عبد الرحمن سوم ادب اور سائنس کا بڑا سیاق تھا۔ اس کی شاہی لائبریری کی کیلاگ 44 جلدوں پر مشتمل تھی اور اس میں چار لاکھ کتابیں تھیں۔ دوسرا شہر غرناطہ اسکولوں اور کالجوں کا شہر کہا جاتا تھا۔ یہاں 70 پبلک لائبریریاں، 17 کالج اور 200 پرائمری اسکول تھے۔

سن ایک ہزار عیسوی تک مسلم اسپین کی آبادی سارے عیسائی یورپ سے تعداد اور خوش حالی میں زیادہ تھی۔ دو لاکھ سے دس لاکھ کی آبادی کے ایک درجن شہر تھے اور ان میں سے کئی ایسے تھے جو پورے عالم عیسائیت کو خرید سکتے تھے۔ عرب سائنس نے شہروں کو صاف ستھرا بنادیا تھا اور ادویات و جراحی کو بے مثال ترقی عطا کی تھی۔ مشہور انگلستانی سائنس دان روجر بیکن کی تصانیف میں ہر لفظ سے عرب سائنس کی پو آتی ہے۔

منصور عباسی کا شہر بغداد پورے مشرق کا گویا زیور تھا۔ یہ فنکاروں، سائنس دانوں اور انجینئروں کا ایک اہم مرکز تھا۔ بغداد کا نقشہ ایرانی ماہر فلکیات نو بخت نے تیار کیا تھا۔ مامون الرشید کے دور میں حنین ابی اسحاق (809 تا 877)، محمد موسیٰ الخوارزمی (780 تا 850ء)، جابر بن حیان (737 تا 817ء)، ابن البیثم (965 تا 1039ء)، البیرونی (937 تا 1048ء)، المسعودی (وفات 957ء)، عمر خیام (وفات 1123ء)، نصیر الدین طوسی (وفات

1274ء) اور ابن خلدون (1334 تا 1406ء) وغیرہ نے سائنس اور ٹیکنالوجی میں کارہائے نمایاں انجام دیے۔ ان حوالوں سے عرض یہ کرتا ہے کہ مسلمان علم و فضل اور عقل و شعور کے میدان میں اٹھے اور آگے ہی آگے بڑھتے رہے۔ پھر رُکے تو ایسا رُکے گویا حرکت اور رفتار گناہ قرار دے دی گئی ہوں۔

سائنس کا مشہور مورخ جارج سارٹن کہتا ہے کہ آٹھویں صدی عیسوی سے گیارہویں صدی عیسوی تک ساری دنیا کے

اگر کوئی خدمت اور اصلاح کے لئے اٹھا بھی تو لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ کٹر پن نے اپنا رنگ دکھایا اور مذہب کو سائنس کے سامنے کچھ اس طرح کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی کہ سائنس کا قرب مسلمانوں کے لئے گناہ ہو گیا۔ انہیں اپنے بے دین ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا اور وہ سائنس سے فرار حاصل کرنے لگے۔

علوم میں جو اضافے ہوئے وہ عربوں اور مسلمانوں کی بدولت ہی ہوئے۔ بارہویں صدی سے زوال شروع ہونے لگا اور سولہویں صدی تک یہ زوال پوری طرح نمایاں ہو گیا۔ تب سے لے کر آج تک ہم اسی زوال کی تصویر بنے ہوئے ہیں اور اس کی تقلید ہمارا شیوہ ہے۔

اس زوال کے اسباب پر غور کریں تو معلوم ہو گا کہ یہ زوال دراصل مسلمانوں کے اندر سے ہی شروع ہوا۔ وہ جہاد سے روٹھے، تعقل اور تفکر سے دور ہوئے، عزم و دزم سے گئے تو قدرت نے بھی اپنی ہمدردیاں اور فیاضیاں دوسروں کو منتقل کر دیں۔ مسلمانوں نے مسلمانوں کے ساتھ ہی غدیریاں کیں، اپنے ہی روشن دماغوں کو ملک بدر کیا اور باہمی فرقہ بندی کے شکار ہوئے۔ ان کی قیادت



ذائجست

بجائے حقوق کو موضوع جستجو بنایا جاتا۔ عصری تقاضوں کا خیال رکھا جاتا تو بہت مثبت نتائج سامنے آتے۔ مگر افسوس کہ جہالت، بے توجہی، کمزری اور شکوک و شبہات کا خوف کھیل گزشتہ پانچ چھ سو سالوں سے جاری ہے اور ہم اس کی تقلید میں اپنی رسوائی کا سفر بغیر کسی شرمندگی کے جاری رکھے ہوئے ہیں۔

ایک طرف سائنس کا دور دورہ ہے۔ عوامی سائنس کی تحریکیں بھی چل رہی ہیں اور ہر لمحے نئے تجربات و انکشافات رونما ہو رہے ہیں مگر ہم میں سے زیادہ لوگ ان باتوں سے نا آشنا ہیں۔ عوامی سائنس کا مقصد ہی یہی ہے کہ لوگ پڑھیں، سمجھیں، تجزیہ کریں، کسی سائنسی ایجاد و تجربہ سے خوف زدہ نہ ہوں بلکہ ان سے قربت اختیار کریں تاکہ ہمارا خوابیدہ ذہن بیدار ہو، تو ہم، کوری تقلید اور کسلندی دور ہو۔ پھر ہم بھی خوش حالی سے ہنسنا رہوں اور اعتماد و دلولے سے بھر جائیں۔

فکر کی بات یہ ہے کہ کیا اب ہم صرف اپنے پیشرو علماء اور سائنسدانوں کی مثالیں ہی پیش کرتے رہیں گے اور اسی پر خوش ہو لیا کریں کہ علوم کی ترویج و ترقی میں ماضی ہماری خدمات کی گواہ ہے۔ عقل کا تقاضہ یہ ہے کہ آج ہم خود کو بدلتے ہوئے حالات سے ہم آہنگ کرنے کی کوشش کریں، سائنسی رموز و نکات کو سمجھنے، پرکھنے اور ان کو اپنانے کے لئے آگے آئیں تاکہ ہمیں خوش حالی نصیب ہو اور اعتماد کی دولت حاصل ہو۔ یہاں یہ کہنا غلط نہ ہو گا کہ ہم نے علم کو دینی اور عصری دو مختلف خانوں میں تقسیم کر دیا ہے لہذا ان کے طالب علم بھی بٹ گئے ہیں اور دونوں دو الگ دنیا کے باشندے ہو کر رہ گئے ہیں۔ عصری اور سائنسی علوم کے پیش نظر مدرس کی صورت حال بڑی تشویشناک ہے۔ یہاں دینی تعلیم کے ساتھ سائنس و ٹیکنالوجی کی وہ تعلیم نہیں دی جاتی ہے جو عصر حاضر کا تقاضہ ہے۔ جب اس علم کے قریب نہ جایا جائے، اسے سمجھنے اور پرکھنے کی کوشش ہی نہ کی جائے تو ظاہر ہے اس کے

بھی نہایت ناقص رہی۔ اگر کوئی خدمت اور اصلاح کے لئے اٹھا بھی تو لوگ اس کے پیچھے پڑ گئے۔ کٹر پن نے اپنا رنگ دکھایا اور مذہب کو سائنس کے سامنے کچھ اس طرح کھڑا کرنے کی کوشش کی گئی کہ سائنس کا قرب مسلمانوں کے لئے گناہ ہو گیا۔ انہیں اپنے بے دین ہو جانے کا خدشہ لاحق ہو گیا اور وہ سائنس سے فرار حاصل کرنے لگے۔ سائنس سے فرار یعنی زندگی سے فرار، عقل و اور اک سے فرار اور پھر کامیابی سے فرار۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ کہیں

جب اہل فہم و دانش کو نشانہ بنایا گیا اور عقل و فکر، تجربہ مشاہدہ پر قفل ڈالنے کی کوششیں تیز ہو گئیں تو صلاحیتیں غلط راہ پر جا پڑیں، خود پر سے اعتبار اٹھ گیا اور نظریں جو ارض و سما، شمس و قمر، بحر و بر، نباتات و حیوانات یا انسان کے مطالعہ و مشاہدہ پر ٹکی رہتی تھیں وہ شکوک و شبہات، حقارت و نفرت، کٹر پن، کینہ و کدورت، فرقہ پرستی، کردار کشی اور آدم بیزاری سے ہوتے ہوئے خود بیزاری تک جا پہنچیں۔

کے نہ رہے نہ صحیح مذہب تک رسائی ہو سکی اور نہ ہی سائنس تک۔ جب اہل فہم و دانش کو نشانہ بنایا گیا اور عقل و فکر، تجربہ مشاہدہ پر قفل ڈالنے کی کوششیں تیز ہو گئیں تو صلاحیتیں غلط راہ پر جا پڑیں، خود پر سے اعتبار اٹھ گیا اور نظریں جو ارض و سما، شمس و قمر، بحر و بر، نباتات و حیوانات یا انسان کے مطالعہ و مشاہدہ پر ٹکی رہتی تھیں وہ شکوک و شبہات، حقارت و نفرت، کٹر پن، کینہ و کدورت، فرقہ پرستی، کردار کشی اور آدم بیزاری سے ہوتے ہوئے خود بیزاری تک جا پہنچیں۔ اگر انہیں مذہب کی صحیح تعلیم دی جاتی اور خالق کی



ذائقہ

اوصر ایک بات جو مجھے بہت کھٹکے لگی ہے وہ یہ ہے کہ یونانی جیسے اہم طریقہ علاج کے ماہر طبیب اب اس طریقہ سے علاج کرنے میں شرم سی محسوس کرنے لگے ہیں۔ یہ ایک عام مشاہدہ ہے کہ ہمارے بی۔یو۔ایم۔ ایس ڈاکٹر عظیم وراثت برباد کر رہے ہیں اور بجائے اپنے اس طریقہ علاج جس پر انھیں فخر محسوس کرتا چاہئے اسے چھوڑ کر ایلوپیتھک یعنی انگریزی طریقہ علاج سے مریض کو کسی طرح بھلارہے ہیں یعنی Main Entrance کی جگہ Back door Entry پسند کر رہے ہیں۔ کمال کی بات ہے کہ جس چیز کی باضابطہ ٹریننگ اور پڑھائی نہ کی گئی ہو اس میں کمالات دکھانے کی کوشش ہو رہی ہے اور یہ کوشش اپنی تاریخی شناخت اور تہذیبی وراثت کی قیمت چکا کر کی جا رہی ہے۔ اگر یہی صورت حال رہی تو وہ دن دور نہیں جب ہمارا یونانی طریقہ علاج قصہ پارہ بن کر رہ جائے گا۔ دراصل ہم نے اپنی علمی دولت یونانی برباد کی ہے۔

یہ مان لینے میں جھجک نہیں ہونی چاہئے کہ جو کام ہمیں کرنے چاہئے تھے وہ یورپی اہل علم و دانش نے کر دکھائے اس لئے کہ انھوں نے غور فکر اور عقل و تفکر سے کام لیا اور ہم نے سہل پسندی سے۔ اسی سہل پسندی نے ہم سے ہماری میراث چھین لی۔ کم از کم بدلتے ہوئے حالات میں عقل کا تقاضہ تو یہی ہے کہ اپنی گمشدہ میراث کی بازیافت اب ہمارا مقصد بن جانا چاہئے۔

دروازہ پر مدارس کے طلباء کے لئے قفل ہی پڑا رہے گا اور وہ اس مذہب مخالف چیز ہی سمجھتے رہیں گے۔ یہ ایسا مسئلہ ہے جس پر کھلے دل و دماغ سے گفتگو ہونی چاہیے تاکہ کوتاہیوں پر نظر جاسکے۔ سائنس و ٹکنالوجی اللہ کی عظمت کے ثبوت پیش کرتے ہیں۔ چودہ سو سالوں کے تجربات، مشاہدات، تحقیقات اور ایجادات نے کائناتی حوالوں یعنی آسمانوں، زمین، تاریخ انسان، نفس انسان وغیرہ میں سے اکثر کو صحیح ثابت کر دکھایا ہے۔ اور بقیہ کو سمجھنے کے لئے سفر جاری ہے۔ لہذا سائنسی تحقیق، علمی جستجو اور عقلی کوچ جس سے پریشانی یا الرجی کم از کم مسلمانوں کو زیب نہیں دیتی۔ آج بہت ضرورت ہے کہ ہم سائنسی ذہن بیدار کریں، جو کچھ ہو رہا ہے اسے سمجھنے کی کوشش کریں اور اپنی عقل کا استعمال کرتے ہوئے قرآن کی روشنی میں سائنس کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ ہم سائنس کو تعمیری بناسکیں اور اس لئے بھی کہ ہم سائنس کے تحریمی پہلو کے لئے اہل یورپ کو الزام دیتے ہیں مگر کیا ہم نے کبھی یہ سوچا کہ اس کی ذمہ داری ہم پر کس قدر عائد ہوتی ہے۔ قرآن ہمارے لئے نازل ہوا، حوالے ہمیں دیے گئے، اشارے ہمیں کئے گئے لہذا سائنس کی باگ ڈور تو ہمارے ہاتھ میں ہونی چاہیے تھی۔

دہلی آئیں تو اپنی تمام تر سفری خدمات و رہائش کی پابکرہ سہولت

اندرون و بیرون ملک ہوائی سفر، وزہ، امیگریشن، تجارتی مشورے اور بہت کچھ۔

ایک چھت کے نیچے۔ وہ بھی دہلی کے دل جامع مسجد علاقہ میں



اعظمی گلوبل سروسز و اعظمی ہوسٹل سے ہی حاصل کریں

فون : 2327 8923 فیکس : 2371 2717

منزل : 2328 3960 منزل : 2692 6333

198 گلی گڑھی جامع مسجد، دہلی-6



اسلام اور علم

علم کا لفظ اپنے تمام تر معنی و مفہوم کے ساتھ قرآن پاک کی سات سو سے زیادہ آیات میں استعمال ہوا ہے۔ اللہ کے وجود پر یقین رکھنے اور اس کی ربوبیت کے اقرار کو علم کہا گیا ہے، کائنات کے مطالعہ کو علم کا نام دیا گیا ہے۔ قدرت کے رموز سے پردہ اٹھانے کی کوشش کو بھی علم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ غرضیکہ دین و دنیا کی ہر تلاش و جستجو کو علم کے نام سے موسوم کیا گیا ہے۔ اس ضمن کی چند آیات اس طرح ہیں: (1) جسے حکمت دی گئی اسے خیر کثیر دے دیا گیا (سورہ بقرہ: 269)

(2) تم میں سے وہ لوگ ایمان رکھنے والے ہیں جن کو علم بخشا گیا ہے اللہ ان کو بلند درجے عطا فرمائے گا۔ (مجادلہ: 11) (3) ان سے پوچھو کیا جاننے والے اور نہ جاننے والے دونوں یکساں ہو سکتے ہیں، نصیحت تو عقل رکھنے والے ہی قبول کرتے ہیں (سورہ زمر: 9) (4) اسی طرح

ٹھپا لگا دیتا ہے اللہ ان لوگوں کے دلوں پر جو بے علم ہیں (سورہ روم: 59) (5) اور ایک علم رکھنے والا ایسا ہے جو ہر صاحب علم سے بالاتر ہے (سورہ یوسف: 76) (6) اور دعا کرو اے رب مجھے مزید علم عطا کر (سورہ طہ: 114) (7) جو بات غور سے سنتے ہیں اور اس کے بہترین پہلو کی پیروی کرتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت بخشی ہے اور یہی دانش مند ہیں (سورہ زمر: 18) (8) ان میں ان لوگوں کیلئے نشانیاں ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں (سورہ

قرآنی حکم اور پیغمبری ہدایات کی بنا پر غہد وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیاوی علوم پر زبردست قدرت حاصل کی۔ انھوں نے دینی علم کو دنیاوی علم سے الگ نہیں دیکھا بلکہ دنیاوی علوم کے حصول کو عین دینی عمل سمجھا۔

رعد: 4) (9) ہم نے نشانیاں واضح کر دی ہیں ان لوگوں کے لیے جو عقل سے کام لیتے ہیں (سورہ عنکبوت: 35) (10) کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے (سورہ انعام: 132) (11) کیا تم سوچتے نہیں (انعام: 50) (12) اللہ کی بنائی ہوئی ساخت بدلی نہیں جاسکتی (سورہ روم: 30) (13) حقیقت یہ ہے کہ اللہ کسی قوم کے حال کو نہیں بدلتا جب تک وہ خود اپنے اوصاف کو نہیں بدل دیتی (سورہ رعد: 11) (14) ان سے کہو کہ زمین میں چلو پھرو اور دیکھو کہ اس

نے کس طرح خلق کی ابتداء کی ہے (عنکبوت: 20) (15) ان کے پاس دل ہے مگر سوچتے نہیں، ان کے پاس آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں، ان کے پاس کان ہیں مگر وہ سنتے نہیں، وہ جانوروں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ گمراہ (سورہ اعراف: 179) (16) بیشک ہم نے اس کتاب قرآن کریم میں تمہارے

لیے اتارا ہے ذکر و نصیحت پس تم عقل سے کام کیوں نہیں لیتے (سورہ انبیاء: 10) (17) بیشک جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے وہ اللہ کے نزدیک کسی بدترین حیوان کی طرح ہیں جو نہ سن پاتے ہیں نہ بول پاتے ہیں (سورہ انفال: 3) (18) جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے خدا ان پر گندگی ڈال دیتا ہے (سورہ یونس: 11) (19) خدا کے نزدیک بدترین قسم کے جانور وہ بہرے گوشتے لوگ ہیں جو عقل سے کام نہیں لیتے (سورہ انفال: 22)



ذائقہ جست

حصول پیدا آتش سے لے کر قبر تک چلنا چاہئے (12) ایک گھنٹہ کی محنت بلسلہ حصول علم کہیں زیادہ اہم ہے بمقابلہ شہیدوں کی نماز (13) سب سے قبل جو چیز پیدا کی گئی وہ علم تھی (14) علم حاصل کرو کیوں کہ اس کا حصول اللہ کی راہ پر چلنا ہے (15) جو شخص اپنا گھر علم کے حصول کے لیے چھوڑتا ہے وہ اللہ کی راہ پر چلتا ہے (16) علم

مندرجہ بالا آیات کے علاوہ قرآن میں علم کو زہد (28:80) پارسائی (35:28) فتح یابی (28:78) ثابت قدمی (18:68) ایمان (34:6) اور تزکیہ (2:129) کا سرچشمہ بتایا گیا ہے۔ علم کو فخر اور روشنی کا ذریعہ بھی کہا گیا ہے (27:15, 13:16)۔

سچ تو یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں آج تک کسی قوم نے نہ تو اتنی بلندی پائی اور نہ اتنی پستی میں جاگری جتنی کہ قوم مسلم کے حصہ میں آئی۔ اس صورت حال کے ذمہ دار یقیناً وہ قائدین تھے جنہوں نے دین کو دنیا سے الگ کیا اور ان حکمرانوں کے اشاروں پر کام کرتے رہے جو مسلمانوں کو جاہل رکھنے میں اپنی عافیت سمجھتے تھے۔ ان حکمرانوں نے اوہام پرستی اور بدعات کو خوب بڑھا دیا نیز سیدھے سادے لیکن جاہل عوام کو باور کرایا کہ یہ رسوم (Rituals) ہی دراصل دین اور روحانیت کا حصہ ہیں اور ان کی زندگی کا مدعا و مقصد ہیں۔

جہاں ایک جانب زندگی کے ہر شعبہ میں علم کی برتری اور حکمرانی پر زور دیا گیا ہے وہیں بے خبری، لاعلمی اور جہالت سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ صاف الفاظ میں فرمایا گیا ہے کہ ”لا علم (جاہل) لوگوں کی جگہ دوزخ ہے“ (7:179)۔ اس کے علاوہ جہل سے پیدا ہونے والی برائیوں کی نشاندہی بھی کی گئی ہے مثلاً اعلان ہوا ہے کہ لاعلمی کے سبب کفر (7:138) تصادم (59:14) گستاخی (49:4) سرکشی (48:26) اور بد چلتی (27:55) جیسی برائیاں جنم لیتی ہیں۔ قرآنی احکامات کی روشنی میں پیغمبر اسلام حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے تسخیر دنیا کی خاطر مختلف علوم کے حصول کے لیے ہدایات صادر فرمائیں جس کا اصل مدعا عام مسلمانوں میں عقلیت پسندی کے رواج کو عام کرنا تھا اور علم کو ایک لازمی سرگرمی بنانا تھا۔ اس ضمن میں کچھ ارشادات اس طرح ہیں:

(1) علم کا حصول ہر مسلمان (مرد اور عورت) کے لیے فریضہ ہے (2) یا اللہ میں کسل و کالی سے پرہیز مانگتا ہوں (3) تم میں سے بہتر وہ ہے جو دنیا کے بدلے آخرت کے لئے چھوڑے اور نہ آخرت کے بدلے دنیا سے منہ موڑے اور نہ لوگوں پر بوجھ بنے (4) سب انسان سے بہتر وہ انسان ہے جس سے لوگوں کو نفع پہنچے (5) میری اُمت کے بہترین لوگ عالم ہیں اور بہترین عالم رحم دل ہیں (6) تم میں سے بہتر انسان وہ ہے جو خلق کے لحاظ سے بہتر ہو (7) علم حاصل کرو خواہ اس کے حصول کے لیے چین کا سفر اختیار کرنا ہو (8) عالم کے قلم کی سیاہی شہید کے خون سے زیادہ ہے (9) اچھا سوال آدھا علم ہے (10) جو شخص علم کے حصول کے لیے سفر اختیار کرتا ہے وہ اللہ کی راہ پر ہے حتیٰ کہ وہ واپس ہو جائے (11) علم کا

حاصل کرنے کے خواہش مند جنت میں فرشتوں کی جانب سے خوش آمدید کہے جائیں گے (17) جو شخص علم اور عالم کا طر فدار ہے اللہ اس کا طر فدار ہے (18) جو شخص عالم کی عزت کرتا ہے وہ میری عزت کرتا ہے (19) ایک حکمت والا شیطان پر زیادہ سخت ہے بمقابلہ سو عابدوں کے (20) عالم عابد پر اسی طرح بہتر ہے جیسے چاند تاروں پر (21) فرشتے اپنے پُر پھیلائیں گے عالموں کو خوش آمدید کہنے کے لیے (22) عالم اصل میں نبیوں کے وارث ہیں (23) ایک مومن علم سے کبھی بھی مطمئن نہیں ہوتا ہے (24) حکمت ایک کھوئی ہوئی دولت ہے جسے حاصل کرنا ہر مومن کا فرض ہے۔



ذائقہ جست

لیکن نہ جانے کیوں اور کیسے یہ صورت بدلی اور علماء میں عصری علوم سے بیزاری پیدا ہوئی۔ پھر کیا تھا اسلامی زوال کا دور شروع ہو گیا جو اتنا عبرت انگیز تھا کہ بقول ایک دانشور محمد محمود کے ”آج دنیا کے منظر نامے میں قوم مسلم پست ترین مقام پر ہے اور پچھلی دو صدیوں میں اسے جس طرح کی ذلت و خواری اور شکست کا سامنا ہوا ہے اس کی دوسری مثال تاریخ میں کہیں نہیں ملتی ہے۔“ سچ تو یہ ہے کہ تاریخ انسانی میں آج تک کسی قوم نے نہ تو اتنی بلندی پائی اور نہ اتنی پستی میں جاگری جتنی کہ قوم مسلم کے حصہ میں آئی۔ اس صورت حال کے ذمہ دار یقیناً وہ قائدین تھے جنہوں نے دین کو دنیا سے الگ کیا اور ان حکمرانوں کے اشاروں پر کام کرتے رہے جو مسلمانوں کو جاہل رکھنے میں اپنی غافیت سمجھتے تھے۔ ان حکمرانوں نے اوہام پرستی اور بدعات کو خوب بڑھا دیا نیز سیدھے سادے لیکن جاہل عوام کو باور کرایہ کہ یہ رسوم (Rituals) ہی دراصل دین اور روحانیت کا حصہ ہیں اور ان کی زندگی کا مدعا و مقصد ہیں۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ عام مسلمانوں کی نظروں میں علم کی کوئی اہمیت باقی نہ رہی اور حکمرانوں کو اپنے ظالمانہ اور غیر اسلامی اقتدار کو برقرار رکھنے میں آسانیاں فراہم ہوتی رہیں۔ ایک اسلامی اسکالر رحیم حسن نے کتنا سچ کہا ہے کہ:

Diminishing Muslim Vision of Knowledge
is singularly responsible for the decline of
vitality and power of Muslim civilization

افسوس کا مقام یہ ہے کہ آج ہمارے ملی رہنما اس سچائی سے آنکھیں موندے ہوئے دعویٰ کرتے ہیں کہ اصل میں اللہ سے دوری اور اعمال بد مسلمانوں کے زوال کے اسباب ہیں گویا کہ جو قومیں مسلمانوں پر غالب ہیں وہ اللہ سے زیادہ قریب ہیں اور بہترین اعمال کی حامل ہیں۔ کسی افلاس زدہ، شکست خوردہ اور پریشان قوم کو یہ جتنا کہ ان کی حالت زار کی وجہ ان کی بد اعمالیاں

قرآنی حکم اور پیغمبری ہدایات کی بنا پر عہدِ وسطیٰ میں مسلمانوں نے دنیاوی علوم پر زبردست قدرت حاصل کی۔ انہوں نے دینی علم کو دنیاوی علم سے الگ نہیں دیکھا بلکہ دنیاوی علوم کے حصول کو عین دینی عمل سمجھا۔ یہ سلسلہ ایک ہزار سال جاری و ساری رہا۔ اس دور میں غیر اسلامی دنیا نے مسلمانوں سے بہت کچھ سیکھا اور اپنی ترقی کی راہیں ڈھونڈنے میں اس علم کی ضرورت کو محسوس کیا جسے مسلمانوں نے عام کر دیا تھا۔ آسٹریا کا ایک دانشور ڈاکٹر جس کو چلرنے ایک حالیہ بین الاقوامی کانفرنس میں تسلیم کیا کہ ”یہ ایک تاریخی سچائی ہے کہ اچین کی مسلم نہدیب نے ہی عہدِ وسطیٰ میں یورپ کو جہالت سے چمکارا دیا اور فکری و علمی ترقی کے راستے دکھائے۔“

عہدِ وسطیٰ میں اسلام نے علمی بلندیوں کو چھونے کے لیے دنیا کے تمام علوم سے استفادہ حاصل کیا اور ان میں ایک نئی روح پھونکی۔ بھولے ہوئے ہندوستانی، چینی، ایرانی اور یونانی علوم کو نئی زندگی بخشی اور ایسے علمی سماج کی بنیاد رکھی جس کی ساری دنیا نے قدر کی۔ اس دور میں الکندی، ابوالقاسم زہراوی، زکریا رازی، ابن نفیس، ابن خلدون، ابن بیطار، مسکویہ، ابن رشد، البیرونی، بوعلی سینا، ابو کمال، خوارزمی، بغدادی، مسعودی، جابر بن حیان، ابن ہشیم، الفارابی اور الفزالی، جیسی مستند ہستیوں کا اسلامی دنیا میں جنم ہوا، جنہیں آج بھی یورپ کے دانشور فلسفہ، کیمیا، طبیعیات، ریاضیات، فلکیات وغیرہ کے مینارے مانتے ہیں اور تسلیم کرتے ہیں کہ اگر یہ شخصیات ظہور میں نہ آتی ہوتیں اور ان کے انکشافات نے سائنس کو جلانا بخشی ہوتی تو یقیناً آج کا سائنسی انقلاب رونما نہ ہو پاتا۔ نیشنل گلیلیو اور کپلر جیسے دانشور حیرت انگیز انکشافات پانے میں کامیاب نہ ہو پاتے۔

مسلمانوں نے ایک ہزار سال تک دینی و دنیاوی علوم کو برابر کا درجہ عطا کیا یہ وہ دور تھا جب دینی علماء عصری علوم کے واقف کار ہو کر تھے، لہذا ملت کی امامت نہایت خوبی سے کیا کرتے تھے



ذہنجست

ہیں بڑا ہی تکلیف دہ نظریہ ہے۔ حق تو یہ ہے کہ افلاس اور جہل کے باوجود آج بھی ایک عام مسلمان دوسری قوموں کے مقابل اپنے اللہ اور رسول کا زیادہ شید کی ہے اور دینی جذبہ میں سرشار ہے وہ دوسری قوموں کے مقابل زیادہ عبادت گزار بھی ہے ہاں یہ ضرور ہے کہ علم کی اہمیت کا احساس وہ کھو چکا ہے کیوں کہ سماج کے مٹھی بھر رہبران ملت اور صاحب اقتدار طبقہ نے اس بات کی چندال ضرورت نہ سمجھی کہ علم کو اسلامی تمدن میں عام کیا جائے حالانکہ ضرورت تو اس بات کی تھی کہ قوم مسلم کو یقین دلایا جاتا کہ ان کا شہنشاہ ماضی پھر سے لوٹ سکتا ہے بشرطیکہ وہ سائنس کو اپنی وراثت سمجھتے ہوئے پھر سے اس میں سبقت حاصل کرے اور سائنسی تدابیر سے اپنی قسمت کو بدل کر رکھ دے۔

موجودہ صورت حال پر حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی کا خیال بھی مسلمانوں کو دعوت فکری دیتا ہے انھوں نے مغربیت اور اسلام کے درمیان کشمکش پر اپنی تہنیت میں تحریر فرمایا ہے کہ ”انسانیت کی مصیبت علم کو ایمان سے علیحدہ کر دینے میں ہے اس علیحدگی اور دوری نے اسلامی تمدن کو ہر طرح کے مصائب میں مبتلا کر دیا ہے۔ مشرق میں ایمان بڑھتا اور پروان چڑھتا رہا مغرب میں سائنسی علم بڑھتا اور چڑھتا رہا۔ آج ایمان کو علم کی رفاقت کی ضرورت ہے اور علم کو ایمان کی سرپرستی۔“

مولانا موصوف نے ہی متعدد بار اپنی تحریروں اور تقریروں میں یہ بات ذہرائی کہ سائنسی سرگرمی اصل میں مسلمانوں کی وراثت تھی جس کے اصل وارث مغرب والے بن بیٹھے اور بقول ان کے ”ہمارے ہی حربوں سے ہم پر حکم چلانے لگے۔“ علم کی توجیہ کرتے ہوئے مولانا اخلاق حسین قاسمی فرماتے ہیں کہ ”اسلام کے بارے میں یہ تصور انتہائی ناقص ہے کہ اسلام صرف عقائد و عبادات کا مذہب ہے اور اسی دائرہ کا علم وہ علم ہے جس کو سیکھنے کا حکم مسلمانوں کو دیا گیا ہے۔“

مسلمانوں کا غیر علمی رویہ دراصل سولھویں صدی میں رواج پانچکا تھا جب انھوں نے یورپ سے تارکک اور کے طور طریق کو اپنا کر اپنے زوال کے اسباب پیدا کر لیے جبکہ یورپ نے مسلمانوں کے علمی اور فکری طرز زندگی کو اپنا کر ترقی کی جانب گامزن ہونے کے مواقع فراہم کر لیے جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے۔ بہر حال اب وقت آگیا ہے کہ قوم مسلم بے معنی مباحث سے چٹکارا پائے اور ملازن بصیرت رکھنے والے دانشوروں کی مدد سے علوم مختلف کے حصول کے لیے اپنے کو وقف کر دے۔ اس کوشش کے بغیر قہرذلت سے ٹکلنا ممکن نہیں۔ قرآن بھی تو یہی فرماتا ہے

”ان الله لا يغير ما بقوم حتى يعبروا ما بانصہم“
(ترجمہ) ”واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدل دیتے۔“ (سورہ حد 11)

Topsan®
BATH FITTINGS

Tot Performing Taps

BUDGET

MACHINOO TECH

Tel: 01-11-2194947 Email: topsan@nda.vsnl.net.in



مالی اور افریقہ کا مدینہ علم ٹمبکٹو

ہوں کچھ مولود اور دوسرے بھی مل گیا ہے۔

مالی مغربی افریقہ میں الجیریا (Algeria) کے جنوب مغرب اور موریتانیہ (Mauritania) کے جنوب و مشرق واقع ہے۔ یہ شمال میں دور کے دونوں کونے کنا ایک بڑا سا قائم ثلاث ہے جس کے جنوبی قاعدے کو اتنا ہی پچھم کی طرف بڑھا کے اس کے نیچے شمیر سے گواتک کے مغربی ہندوستان جیسا ایک خطہ لٹا دیا گیا ہے۔

شمال صحارا سے متصل ہے تو جنوب نائیجر (Niger R) اور بانی (Bani R) وغیرہ دریاؤں سے سیراب۔ جنوب مغرب میں سمندر کنارے فوٹا جالون (Futa Jallon) پہاڑی سلسلوں سے نکل کر شمال مشرق بہتا دریائے ناگر ہزار میل جا کے مشرق اور پھر جنوب مشرق مڑتا نائیجیریا (Nigeria) میں داخل ہوتا ہے،

جہاں مزید جنوب گھوم کے خلیج گنی (Gulf of Guinea) میں گر جاتا ہے۔ شمال جانب سفر کرتے ہوئے ناگر کی ملاقات پانی سے ہوتی ہے تو یکڑوں میل تک ان سے سیراب ہو کر زمین سرسبز ہو جاتی ہے اور غم سے پہلے پانی پر جن (Djenne or Jen)، غم پر مپٹی (Mopti) (عربی مفتی کی طرح) اور آگے بڑھ کے ناگر پر ٹمبکٹو اور گاؤ (Gao) کے تاریخی شہر آباد ہیں۔

آج مالی افریقہ کا ایک غریب ترین ملک ہے، باؤ باب

ٹمبکٹو کا نام پہلی بار میں نے لکھتو یونیورسٹی میں اب سے پینتالیس سال پہلے کر شامخ کی زبانی سنا تھا:

اگر کوئی کہے ٹمبکٹو (Timbuctu) یا ہوانا (Havana) میں ہوتا تو یہ کارنامہ کر دکھاتا، تو غور کرو اس نے یہاں رہ کے بھی کچھ کیا ہے۔

سن کے ہم کئی طرح چوکنے۔ ہوانا تو کیوبا کے حوالے سے

الہیات ، علم و دانش اور خوبصورت حکایات کے شہر ٹمبکٹو کے سب سے مشہور عالم احمد بابا (1556-1627) کہے جاتے ہیں۔ ان کے ذاتی کتب خانہ میں سولہ سو جلدیں تھیں، جنہیں وہ اپنے معاصرین کے ذخیروں میں سب سے کم بتاتے تھے۔

معصوم ہو گیا ٹمبکٹو نے اسرار رہا۔ پھر دس سال بعد پیرس میں افریقہ کے فرانسیسی سابق مقبوضات سے پڑھنے آئے بہت سے نوجوانوں سے ملاقات ہوتی رہی۔ جن میں مالی (Mali) والے بھی تھے۔ مگر میرا حلقہ تعارف مغرب (نیویسیا، الجیریا، مراکش) کے آگے نہ بڑھا۔ بلکہ وہاں کے بھی آندے ٹپ

(Andre Gide) اور کامبو (Camus) کے حوالے میرے لیے کتابی ہی رہے۔

پچھلے برسوں جیکا (Jamaica) کے ہنری لوی گٹیس جونیئر (Henry Louis Gates Jr) نے افریقہ کا سفر کیا اور اس پر ایک دست دینی فلم بنا کے امریکی ٹی وی پر دکھائی۔ پھر 1999ء میں ”افریقی دنیا کے عجائبات“ (Wonders of th African World) نام سے کتاب چھاپی۔ اسی حوالے سے یہ سطر لکھ رہا



1600 A D London میں قریب 1232ء (شاہ) منسا سلیمان کو ٹمبکٹو کا معمار قرار دیا ہے۔ 1340ء میں قاہرہ سے چھپنے والی العری کی قاموس کے مطابق منسا موسا نے خود بتایا تھا کہ مالی کے بادشاہ ابو بکری ثانی شروع چودھویں صدی میں دو ہزار کشتیوں کے بیڑے میں بحر اوقیانوس کا دورہ اسراصل (یعنی جنوبی امریکہ) تلاش کرنے روانہ ہوئے اور منسا موسا کو اپنا قائم مقام بنا گئے۔ پھر ان کی کوئی خبر نہ آئی کہ سب کے سب

گمشد اپنے حالیہ سفر میں عمر شیث (Oumar Cisse) نامی مہمتی کے عالم تاجر کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے اس کی رہبری کی۔ وہ انگریزی، فرانسیسی، عربی، بمبارا، موسی، دوگون اور فلانی ملا کے آٹھ زبانیں بولتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہاں علم کم تو ہو گیا ہے مگر علمی ثقافت ہنوز باقی ہے۔

فرق ہو گئے کسی جزیرہ میں جانچے یا برازیل کی سر زمین تک پہنچ گئے۔ اندرون ملک کا سفر آج بھی دریائے کانگو پر سب سے اچھا طے ہوتا ہے۔ منسا موسا ج سے واپسی پر ٹمبکٹو پہنچے تو 1324ء میں وہاں کی ”جنگ ربر“ (Djinguerbere) نامی بڑی مسجد کی تعمیر کا حکم دیا۔ پھر اپنی سلطنت میں دور دور سے مانگی عالم دین بلا بلا کے بسائے۔ جن کی سلسلے آج بھی ٹمبکٹو اور جن میں باقی ہیں۔ جن اپنی دینی درسگاہوں کے لیے اب بھی مشہور ہے۔

شمال کے ریگستانی قبیلہ طوارق (Tuareg) نے 800ء کے قریب گلیا (Kukiya) کے آس پاس اپنی حکومت کی داغ بیل ڈالی تھی جو کچھ ہی عرصہ میں مشرق سے جنوب مشرق مڑ چکے تانگر کنارے پرانے شہر گاؤ منتقل ہو گئی۔ خاندان بدوشوں کے گرمانی کیپ کے طور پر انہوں نے ہی تین سو برس بعد ٹمبکٹو کی بنیاد ڈالی، جسے مالی حکومت نے 1290ء میں جیت لیا۔ دس ہی سال میں یہ شہر

(Baobab) کے بلند قامت شاخدار درخت اور کچی اینٹوں کی چھوٹی اور بڑی اپنے منفرد طرز تعمیر کی تاریخی مسجدیں اب بھی اس کی پہچان ہیں۔ کبھی اس کے جنوب کی زمین سونا نکلتی تھی اور شمالی ریگستان کے معدنی نمک کی سلیں سونے ہی جیسی قیمتی بکتی تھیں۔ 1324ء میں مالی کے بادشاہ منسا موسا (Mansa Mousa [also Kankou Mousa 1312-37]) سفر حج پر قاہرہ سے مکہ تک

سونا لٹاتے گئے اور یورپ میں اتنا مشہور ہوئے کہ 1339ء میں اطالیہ سے چھپے عالمی نقش پر انجلییو دلچرت (Angelino Dulcert) نے ان کی تصویر شائع کی اور 1375ء میں اسپین کے شہنشاہ چارلس پنجم (Charles V) کے افسس میں وہ سونے کا ایک بڑا سا ٹکڑا لیے نظر آتے ہیں۔ مالی کا نام برعکس نہیں باسکی تھا۔

مالی بادشاہت کی تین سو سالہ تاریخ 1240ء سے شروع ہوتی ہے۔ جب بن دیا تاکنی تا

(Sundiata Keita) نے سوزو (Sozo) کے بادشاہ من کورو (Sumanquru) کو، کری نا (Kinn) کو جنگ میں قتل کر کے ملک متحد کیا تھا۔ ”پرانے مالی کارزمیہ (Epic of old Mali) ماری جاتا (Man-jata) نے لکھا اور اسے دیان (T D Diane) نے لاطینی رسم خط میں منتقل کیا۔ سن دیا تاک کے بیٹے منسا الی (Mansa Uli) کا ذکر ابن خلدون نے بڑے بادشاہوں میں کیا ہے اور زبائی نے لیو افریقی (Leo Africanus) کے نام سے 1525ء میں روم سے



ذائقہ

ہوا تھا۔ لیکن 1492ء میں وہاں سے مسلمانوں کے اخراج پر اس نے مراکش آ کے فیض (Fez) میں تعلیم حاصل کی اس کے بعد اس کے چچا شمالی افریقہ سے گھا تاکہ جہاں کہیں بھی سفیر رہے ان کے ساتھ رہا شریف فیض نے اسے دوبارہ افریقہ کے حالات دریافت کرنے روانہ کیا تو 1518ء میں عیسائی رہزنوں نے پکڑ کے پوپ لئو دہم (Pope Leo X) کے ہاتھ غلام بیچ دیا۔ پوپ نے اس کے علم کی قدر کی اور جوہانس لئو (Johannis Leo de Medici) کے نام سے عیسائی کیا۔ 1525ء میں اس کی کتاب اطالوی زبان میں روم سے شائع ہوئی تو وہ لئو افریقی کے نام سے یورپ بھر میں مشہور ہو گیا۔ کتاب کا انگریزی ترجمہ 1600ء میں لندن سے چھپا۔ اس کتاب سے مالی اور نمبکنو کی اتنی شہرت ہوئی کہ یورپ والے خاصی تعداد میں وہاں کے لیے روانہ ہوئے۔ پُرنگال

نمبکنو میں چمڑے اور چاندی کا کام اب بھی ہوتا ہے اور اس کی چوڑی چوڑی سڑکیں یاد دلاتی ہیں کہ یہاں چالیس پچاس ہزار طلباء دور دور سے آتے اور علم کی شمعیں جلا کے ساتھ لے جاتے تھے۔

کے بادشاہ جان سوم (John III) نے 1530ء میں ایک سفارت بھیجی مگر اس کا ایک ہی شخص پیرو رائل (Pero Reinal) سفر سے زندہ لوٹ سکا تب سے انیسویں صدی کے آخر تک 53 یورپین نمبکنو کے لیے نکلے مگر صرف چار اپنی کوشش میں کامیاب ہوئے۔ زبانی 1554ء میں تو نس جاکر مسلمان مرا۔

1788ء میں اندرون افریقہ کی دریافتوں کے لیے لندن سوسائٹی قائم ہوئی۔ 1806ء میں اسکاٹ سیاح منگو پارک (Mungo Park) کشتی میں نمبکنو کے بندر کبار ایک پہنچ گیا، مگر مقامی ناپسندیدگی کے ڈر سے خشکی پر نہیں اُترا۔ انگریز میجر گورڈون لینگ (Major Gordon Laing) 1826ء میں نمبکنو پہنچا لیکن

شمال و جنوب کے تاجروں کی آماجگاہ بن گیا۔ شمال سے نمک اونٹوں پر آتا اور جنوب سے سونا دریا دریا بہتا۔ پھر فساد موسا کی توجہ کے بعد 1350ء سے سو سال تک تاجر اور صاحبان علم جوق در جوق نمبکنو آتے اور بستے رہے۔ 1354ء میں ابن بطوطہ اس شہر سے گزرا تو اس کی دلجو فساد کا بیان کرتا رہا۔ 1370ء میں چیسے اور نیل یس (Ortelys) کے نقشہ پر نمبکنو اسی نام کے ایک بڑے صوبہ کا صدر مقام دکھایا گیا ہے۔ وہ شمالی افریقہ کے کاروانوں کے ذریعہ یورپ تک پہنچتا تھا۔

نمبکنو کے اکثر صاحبان علم سنغہی (Sunghai) قبیلہ سے تعلق رکھتے ہیں جو اس شہر کے آس پاس بستا تھا۔ پندرہویں صدی میں اس نے مالی سے بغاوت کی اور نانگر کے مغرب میں اپنی حکومت قائم کر لی۔ سنی مسلمان داما (Sunni Silman Dama) (وفات 1464ء) نے آج کے موریتانیہ کا جنوب مشرقی شہر میما (Mema) جیتا اور سنی علی اعظم

(1464-92) نے 1473ء میں جن پر قبضہ کر لیا۔ جس کے لیے کہا جاتا ہے کہ اس نے سات سال سات مہینے اور سات دن محاصرہ کیا۔ سنغہی حکومت 1450ء سے 1591ء تک عروج پر رہی اور نمبکنو کی تعمیر و ترقی کا یہی سنہرا زمانہ تھا۔ اس کے بعد مرا قشی حملہ نے اس کا خاتمہ کر دیا۔ 1470ء میں فلورنس (Florence) کا تاجر بنی دتو (Benedetto) نمبکنو پہنچا تو مالی کے زوال کے بعد سنی علی کی حکومت میں شہر کی حالت اچھی نہ تھی۔ لیکن 1493ء میں الحاج محمد تورے سنغہی نے عسکری (Askia) حکومت کی بنیاد ڈالی تو نمبکنو اور اس کے علم جویوں کا خیال رکھا۔

حسن ابن محمد الوزان الزبائی غرناطہ (Granada) میں پیدا



ڈانچسٹ

اپنے مسودوں کی مدد سے یونانی اور رومی متون کی غلطیاں درست کرنے والے تھے۔ (پراسرار ٹمبکٹو سے ص: 53)

الہیات، علم و دانش اور خوبصورت حکایات کے شہر ٹمبکٹو کے سب سے مشہور عالم احمد بابا (1556-1627) کہے جاتے ہیں۔ ان کے ذاتی کتب خانہ میں سولہ سو جلدیں تھیں، جنہیں وہ اپنے معاصرین کے ذخیروں میں سب سے کم بتاتے تھے۔

1593ء میں یہ سب لٹ گیا اور دوسرے شہریوں کے ساتھ احمد بابا بھی قیدی بنا کر مراکش لے جائے گئے۔ اب ان کے نام پر ٹمبکٹو میں ایک علمی مرکز اور یونیورسٹی لا رہی ہے،

وہاں کی واپسی کے بعد مار ڈالا گیا۔ فرانسیسی رنے کاٹی (Reni Caillie) البتہ چیرس جغرافیائی سوسائٹی کے وکیل پر 1828ء میں بھیس بدل کر شہر میں داخل ہوا اور واپس چاکے اس نے اس شہر کے زوال اور بربادی کا حال بیان کیا۔ 1854ء میں جرمن جغرافیہ دان جان ہارٹس بارٹھ (Heinrich Barth) برطانوی حکومت کی طرف سے وہاں چھ مہینے شیخ الباقی کی پناہ میں رہا اور فرانسیسی فلکس دیویو (Felix du Bois) جب 1897ء میں پہنچا تو شہر کی بد حالی سے ششدر رہ گیا۔



جس میں دس ہزار جلدیں محفوظ اور مرتب ہیں۔ کچھ عرب ممالک اور ادارے بھی تعاون کرتے ہیں۔ گنیش اس کے علاوہ عبدالقادر حیدر کے ذاتی ذخیرہ کا بھی ذکر کرتا ہے، جس میں اس نے چری جلدوں

..... بھی ہے وہ عظیم ٹمبکٹو جو سوڈان اور صحارا کا موتی تھا۔ جس کی دولت اور تجارت کا چرچا تھا۔ جو ناگہم کی روشنی تھا۔ جس کے تقدس اور علم کی دہائی دی جاتی تھی اور جس کے محقق ایک دن

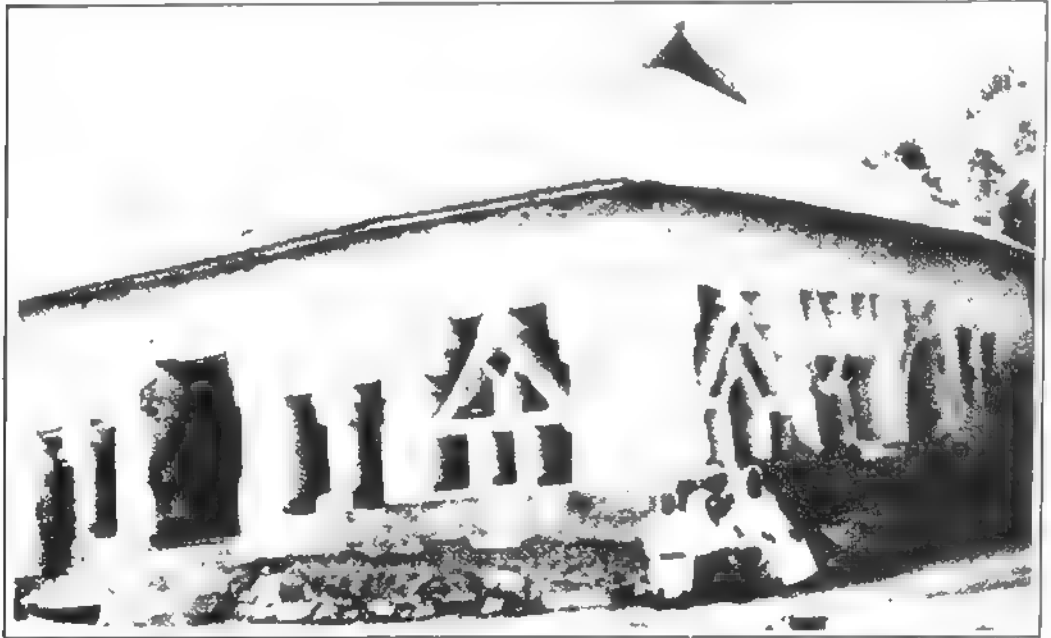


ذائجست

شہر ہو گیا ہے۔ ایک چھوٹا ہوائی اڈہ بن گیا ہے، مگر کوئی ریل یا پینٹہ سڑک نہیں ہے اور آنا جانا اونٹوں پر ہوتا ہے یا دریا پر کشتیوں میں۔ آج وہ دنیا کا سب سے دور شہر شاید نہ ہو، مگر ہر جگہ سے دور ضرور ہے۔ شمال میں تقاضا اور تعودنی (Tagaza اور Taoudenni) سے نمک کے چھوٹے چھوٹے قافلے اب بھی آتے ہیں۔ مگر صحاراپار سے تجارتی کاروانوں کی ریل پیل کہانی سے زیادہ نہیں رہی۔ چند معمر اہل علم ابھی ڈھونڈے مل جاتے ہیں ایسے فرانکو عرب (Lycee Franco-Arabe) میں فرانسوی اور عربی کی تعلیم ہوتی ہے۔ تیس سال ہوئے شہر کی تینوں بڑی مسجدوں، جگہ پر، سنکورے (Sinkore) اور سیدی سبیا (Siddi Yahya) کی مرمت ہوئی تھی۔ 1987ء میں شہر کی آبادی 32 ہزار ہو گئی تھی اور 1988ء

میں احتیاط سے بندھے اور اقل کی شکل میں چار سو ساٹھ تک پرانی ہزاروں کتابوں کی زیارت کی۔ حیدر اخوند کو اولاد رسول کہتے ہیں۔ ان کے بیان کے مطابق اب بھی نمبکنو کے مختلف خاندانوں میں پچاس ہزار تک کتبیں ترتیب و مطالعہ کی کسی منظم کاوش کا انتظار کر رہی ہیں۔ ان کے موضوعات علوم اسلامی اور آداب کے علاوہ فلکیات، تاریخ، طب اور فلسفہ خیال کیے جاتے ہیں۔ لیکن پڑھنے کے بعد ہی کہا جاسکتا ہے کہ کیا کچھ تحریر ہے۔ میرے دوست رضاء اللہ انصاری نے کئی برس ہوئے مجھ سے کہا تھا، اپنے علمی ورثہ کی بازیافت، حفاظت اور تعارف ہمارا کام ہے، اہل مغرب کا نہیں۔ لیکن کامل اس فرقہ فرہاد سے اٹھانہ کوئی!

برطانیہ کے مطابق فرانسوی قبضہ 1894ء کے بعد سے نمبکنو کی تباہ حالی کم ہو گئی ہے۔ 1960ء میں یہ آزاد مالی کا ایک انتظامی



نمبکنو میں مٹی سے بنی ایک مسجد



ڈانچسٹ

میں یونیسکو نے پورے شہر کو عالمی ورثہ قرار دے دیا ہے۔

بہت سے ملکوں کی طرح مالی کی آبادی بھی متعدد قبیلوں پر مبنی ہے۔ شمال کے اونٹوں والے بادامی رنگ کے طواریق اور ٹمبکٹوے مغرب کے سنی کا ذکر آچکا ہے۔ بامبارا (Bambara) اکثریت میں ہیں اور پورے ملک میں پھیلے ہوئے ہیں ان کی زبان قوی زبان ہے اور فرانسیسی سرکاری، پوول (Peul) یا فلوئی (Fulani) کم ہیں، مگر ہر طرف بکھرے ہوئے ہیں۔ پورب میں برکینا فاسو (Burkina Faso)، سرحد پر ملنے (Malinke) آباد ہیں تو جنوب مغرب میں سارا کو لے (Sarakole)، بوزو (Bozo) پھمیرے ہیں تو سیاہ قام بلا (Bella) غلام یا بندھو مزدور۔ محنتی اور جن کے پورب 5 ہزار مربع میل کے اندر کئی سو گاؤں میں تین لاکھ دو گون (Dogon) بستے ہیں جو اپنے کلچر کی بنا پر توجہ طلب رہے ہیں۔ ان میں سے 35 فیصد مسلمان ہیں اور باقی اپنے پرانے طریقوں پر قائم ہیں ان میں ٹریوں کا بھی ختمہ ہوتا ہے گو اس کے خلاف بحث شروع ہو گئی ہے۔ دو گون کلچر، گھانا، مالی اور سنی اختلاط سے وجود میں آیا اور اسی لیے اتنا جاندار ہے گری اوٹ (Gnot) کہلانے والی (منظوم) داستان گو بھانٹ نما عورتیں قدیم مالی کی دیوالا کو اسی طرح زندہ رکھتی آئی ہیں جیسے شمالی اور وسطی ہندوستان کے آلبا اودل وغیرہ گانے والے عوام یا عرب و عجم میں قدیم شاعروں کے راوی۔ ان سے مالی کے رزمیہ کے علاوہ تیسری صدی عیسوی کے اس جن جنو (Jen-Jeno) کی بھی روایتیں سننے میں آ جاتی ہیں جو موجودہ جن شہر کی پرانی بنیاد کہا جاتا ہے اور جس کی تپا جنبو (Tapama Djennebo) کی قبر پر اب بھی میلہ لگتا ہے کیوں کہ شہر کی تعمیر کے لیے اس تو خیز حینہ نے کہا جاتا ہے کہ خود زندہ دفن ہونے کی قربانی دی تھی۔ کون ہے جو قرآن کی یہ



ٹمبکٹو کا ایک قدیم مینار

پر درد آیت سنائے: ”اور جس روز نئی پیدا ہونے والی سے پوچھا جائے کہ تجھے کس جرم پر مار ڈالا گیا تھا۔“

مالی کی مسجدوں کا طرز تعمیر غرناطہ کے معمار ابواسحاق الساطی نے ایجاد کیا تھا، جن کو سنکورا مسجد بنانے کے لیے ایک نامعلوم خاتون نے شاید خنسا سلیمان کے زمانہ (1232ء قریب) میں بلایا تھا۔ انھوں نے ریگستان کی ہلکی گلابی بلوی مٹی کو نہ بننے کے لیے مناسب مسالہ بتایا اور دیواروں میں پانچ چھ فٹ اوپر سے مناسب فاصلوں پر باقاعدہ قطار اندر قطار لکڑی کے تونے دیئے، جن سے بارش بعد سالانہ مرمت ممکن ہوئی اور مضبوطی بھی



ذائقہ

گئیس اپنے حالیہ سفر میں عمر شیث (Oumar Cisse) نامی
مشرقی کے عالم تاجر کا ذکر کرتا ہے جنہوں نے اس کی رہبری کی۔ وہ
انگریزی، فرانسیسی، عربی، ہسپانوی، دوگون اور فلانی ملا کے
آئندہ زبانیں بولتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ وہاں علم کم تو ہو گیا
ہے مگر علمی ثقافت ہنوز باقی ہے۔ ٹیکنالوجی میں چڑے اور چاندی
کا کام اب بھی ہوتا ہے اور اس کی چوڑی چوڑی سڑکیں یاد دلاتی
ہیں کہ یہاں چالیس پچاس ہزار طلباء دور دور سے آتے اور علم کی
شمعیں جلا کے ساتھ لے جاتے تھے۔

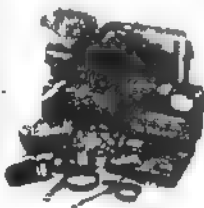
آئی۔ شاید دیواروں کے اندر انہیں ککڑی کے ڈھانچے سے جوڑا
بھی گیا ہو، اس کے علاوہ دیواروں کی لمبائی چھوٹی چھوٹی عمودی
پٹیوں میں بانٹ دیں، ان کے بیچ آہستہ آہستہ پر پتے پتے
ستون نکالے جو اپنے کناروں پر بھی اور دیواروں کے اوپر تک
نکلے سروں پر بھی مخروطی انداز سے گولائی دار نوکوں پر ختم ہوتے
ہیں۔ اس طرح سے ان پر پانی نہیں نکلتا۔ مقامی طور پر ڈیزائن کے
فرق ملتے ہیں۔ روشن دانوں کے ہندسی نمونے یا سوراخوں کی
تقداریں، ملتی ہیں مگر توڑوں کا سلسلہ نہیں ٹوٹتا، ورنہ عمارت کھڑی
نہ رہ سکے۔ سکور اسجد ایک بڑے دارالعلوم کا کام کرتی رہی ہے
جس میں پچیس ہزار طلباء پڑھتے تھے۔

محمد عثمان
9810004576

اس علمی تحریک کے لیے تمام تر نیک خواہشات کے ساتھ

ایشیا مارکیٹنگ کارپوریشن

ہر قسم کے بیگ، ایٹچی، سوٹ کیس اور بیگوں کے واسطے مائیکلون کے تھوک بیوپاری نیز امپورٹر و ایکسپورٹر



asia marketing corporation

Importers, Exporters & Wholesale Supplier of:
MOULDED LUGGAGE EVA SUITCASE, TROLLEYS,
VANITY CASES, BAGS, & BAG FABRICS

6562/4, CHAMELIAN ROAD, BARA HINDU RAO, DELHI-110006 (INDIA)
phones 011 2354 23298 011 23621694 011 2353 6450 Fax 011 2362 1693
E-mail: asiemarkcorp@hotmail.com
Branches Mumbai, Ahmedabad

فون : 011-23543298, 011-23621694 011-23536450, ٹیکس : 011-23621693

پتہ : 6562/4 چمیلین روڈ، بارہ ہندورائ، دہلی-110006 (انڈیا)

E-Mail: osamorkcorp@hotmail.com



صدائے آزادی!

انھوں نے اپنا گھریا چھوڑ دیا اور سب کچھ قربان کر دیا۔
وہ ایک ایسی پابندہ روشنی ہیں جو امن، ترقی اور ہم آہنگی سے مہارت ہندوستان کی سمت میں رہنمائی کر رہی ہے۔
افتخار مند قوم جانے ان جانے، بے شمار مجاہدین آزادی کو خراج عقیدت پیش کرتی ہے۔



”ہمیں آئینہ ازم اور ترقی دہانی کے اس جذب کو پھر سے بروہ کار لانا ہو گا جو ہماری تحریک
آزادی کا نقطہ صفر تھا۔ ہم سب ایک ساتھ مل کر کام کر کے اس بات کو یقینی بنائیں گے کہ ہماری اس
قدیم اور مقدس سرزمین کو دنیا کی قوموں کی صف میں مناسبت مقام حاصل ہو سکے
اور اس میں ہم سب مل جل کر
دریا نظر

15 اگست
2004

158 ویں آزادی



• رت صحافت و شریعت حکومت



علم طب اور اطباء عرب : ایک تاریخی جائزہ

اور علاج و معالجے کے سلسلے میں ان سے استفادہ کیا جاسکے۔ یہی وجہ ہے کہ خلفاء کے دربار میں یہودی، عیسائی، مجوسی، صابی اور ہندو تمام مذاہب اور عقائد کے طبیبان خدمات کو انجام دینے کے لئے مامور کئے گئے تھے۔

عربی اطباء علم طب کے یونانی مصنفین خصوصاً بقراط اور

جالینوس سے واقف تھے۔

بقراط کی طبی کتابوں کا عربی

ترجمہ حنین ابن اسحاق، قسطابن

لوقا، یحییٰ بن یحییٰ اور عبد الرحمن

بن علی نے کیا۔ انھوں نے اس

کی کتاب ”فصول بقراط“

(Aphorisms) کا ترجمہ کیا اور

اس کے رسالوں ”علامات

مرض“ اور ”وبائی امراض“ کا مطالعہ کیا اور ان پر حاشیہ لکھے۔ اسی

طرح حکیم جالینوس کی متعدد کتابوں کا بھی عربی میں ترجمہ ہوا

۔ ان میں لگ بھگ چودہ کتابیں علاج الامراض کے موضوع پر

ترجمہ ہوئیں۔ اسی طرح ایک رسالہ ”تفصیل الامراض“ پر اور

کئی رسائل، بغداد کے علاج سے متعلق عربی زبان میں ترجمہ کیے

گئے۔ Legacy of Islam میں لکھا ہے کہ جالینوس کے کتابوں

کے ایک سو سربانی اور انتالیس عربی نسخے مامون رشید کے دور میں

ترجمہ کیے جاتے تھے۔ پروفیسر براؤن کی ”کتاب التشریح“

(Galen's Anatomy) کا جرمن ترجمہ آج موجود ہے۔

جالینوس کی کتاب ”التجربة الطبیعیہ“ کا انگریزی ترجمہ اصل عربی

دیگر علوم کی طرح علم طب کا بھی سرچشمہ سر زمین یونان ہی تھی۔ لیکن مسلمانوں نے بالخصوص اہل عرب نے سائنس کی اس مخصوص شاخ میں بڑی گراں قدر خدمات انجام دیں۔

طب میں عربوں کی خدمت کی شروعات ترجمہ اور شرح

سے ہوتی ہے۔ اس سلسلے میں عربوں نے ایران، شام، ہندوستان،

یونان اور مصر کی قدیم کتابوں

کے تراجم عربی زبان میں کئے،

ان پر حاشیہ لکھے، ان کی تشریح

کی اور مختلف حکیموں اور طبیوں کے

تکمرے ہوئے اقوال اور رسائل

کو جمع کر کے ایک باضابطہ اور

منظم فن کی بنیاد رکھی۔ اس سلسلے

میں ابن حنین، بنو خشیر،

بنو ثابت اور بنو ماسویہ کی خدمات قابل ذکر ہیں۔ اسی طرح ترجمہ و

شرح کے میدان میں قسطابن لوقا، حجاج بن مطر، ابن البھریق،

یحییٰ بن یحییٰ، احمد بن ابی الاصفہ، ابن جھکیل جیسے علمائے فن نے

قابل قدر خدمات انجام دیں۔

اس فن میں مسلمانوں کی دلچسپی میں اور اسے ترقی دے کر

بام عروج تک پہنچانے کے پیچھے مسلم خلفاء اور سلاطین کی سرپرستی

کا بھی بڑا اہم رول رہا ہے۔ خلفاء اور سلاطین اپنے دربار میں

طبیوں کے انتخاب میں کافی دلچسپی لیا کرتے تھے اور بلا تعصب

مذہب و ملت خطیر رقم صرف کر کے بڑے احترام و اعزاز کے

ساتھ انھیں اپنے درباری طبیب مقرر کرتے تھے، تاکہ تعلیم طب



ذائقہ

متن کے ساتھ کیمرج یونیورسٹی سے شائع ہو چکا ہے۔

خلفاء کے دور حکومت کے مشہور عیسائی طبیبوں میں ابن ماسویہ غلیفہ ہارون رشید کا خصوصی طبیب تھا۔ غلیفہ نے اس کے سپرد یہ خدمت کر دی تھی کہ قدیم طبیبوں کی کتابوں کا ترجمہ حاصل کرے۔ وہ بغداد میں طب کا درس بھی دیا کرتا تھا۔ اسی زمانے میں خلیجیوں کا خاندان بھی طب کی دنیا میں شہرت حاصل کر چکا تھا۔ چنانچہ ہارون رشید کے زمانے میں اس خاندان کا ایک فرد جبریل غلیفہ کا خصوصی طبیب تھا۔ ایک اور طبیب علی ابن عباس، سلطان عضد الدولہ کا شاہی طبیب تھا۔ اس کی ایک تصنیف 'السلکی' کے نام سے مشہور ہے۔ یہی کتاب بوعلی سینا کی شہرہ آفاق کتاب "القانون فی الطب" سے پہلے استعمال کی جاتی تھی۔ اس زمانے کا ایک طبیب سنان بن الصابی ہے، جو مشہور مہندس ثابت بن قرۃ کا بیٹا تھا۔ اس نے علم طب میں امتحانات اور سرکاری ڈگریوں کی تقسیم کا طریقہ شروع کیا۔ حکومت کی طرف سے باقاعدہ امتحانات میں کامیاب اور ڈگری یافتہ اطباء ہی کا تقرر کیا جاتا تھا۔ کامیاب طبیبوں کو بی ڈگریاں دی جاتی تھیں۔ ڈگریوں میں ان کی صلاحیت و استعداد کے مطابق یہ تفصیل بھی درج ہوتی تھی کہ کس طبیب کو کس حد تک علاج کرنے کی اجازت ہے۔ بغداد شہر میں آٹھ سے زائد ڈگری یافتہ طبیب تھے۔ ان کے علاوہ ایسے بھی طبیب تھے جو اپنی غیر معمولی شہرت و مقبولیت کی بدولت امتحانات سے بری قرار دیئے گئے تھے۔

اس فن میں اہل عرب اپنے پیش رو یونانی طبیبوں سے کافی آگے نکل گئے۔ اس کی اہم وجہ ان کی مجتہدانہ کوشش تھی۔ ابوہل مسیحی نے قدام کے مسلمات پر بیشتر رد و قدح کی۔ ابوعلی سینا نے بقراط اور جالینوس کے معتقدات پر جانچا گرفت کی۔ یہی نہیں بلکہ ابوالحسن قرشی نے تو بوعلی سینا اور علی ابن رضوان نے زکریا رازی پر جانچا اعتراضات کیے۔

اہل عرب نے اپنی ذہنی اور اجتہادی صلاحیتوں سے کام لیتے

ہوئے علاج کے طریقے اور فن میں بے حساب تجربات کئے۔ ابن واحد پہلا طبیب تھا جس نے غذا سے علاج پر زور دیا۔ حکیم رضی الدین نے غذا سے بنی دو اکتوج دی او حکیم واحد الزمان ابوالبرکات نے ایک مخصوص دہائی مرض میں قطع تال کا علاج تجویز کیا۔

ابوالصور صاعد بن بشر نے یونان کے تمام حکیموں کے پرانے علاج کے طریقوں کے خلاف اکثر امراض بارودہ، شلا، قانچ، لقوہ وغیرہ کے لیے عربی نظام طب میں ادویہ بارودہ اور منع غذا کا علاج رائج کیا، جو آئندہ کے لیے بے حد کامیاب ثابت ہوا۔ اسی طرح انھوں نے آنکھ کی بیماریوں کے متعلق تحقیق کی، جراثیم کے فن کو ترقی دی، شکر سازی کے معمل تیار کیے، مرکب ادویہ تیار کیں اور شکر کے استعمال کو رائج کیا۔ مشہور مصنف جرجی زیدان اپنی کتاب میں لکھتا ہے کہ عربوں نے پہلی مرتبہ جراثیم کے علاج میں کاوی دواؤں کا استعمال شروع کیا۔ مسولین کے تاختوں کی کیفیت بیان کی، برقان اور ہوائے اصفر کے علاج کا ذکر کیا، جنون کے لیے افیون کو کثیر استعمال کرنے کی اجازت دی۔ نزف الدم کے لیے سر پر سرد پانی ڈالنے کی تجویز پیش کی۔ خلع کف اور نزول الماء کے آپریشن کا طریقہ بتایا۔ تقییت سود کے طریقے بیان کئے۔ اسی کے ساتھ بعض ایسی فروع طب پر کتابیں لکھیں جن کے بارے میں پہلے کی کتابوں میں ذکر نہیں ملتا ہے۔ مثلاً پوختان ماسویہ نے جزام (کوڑھ) پر اور الرازی نے چچک و خسرہ پر پہلی مرتبہ کتابیں لکھیں۔

اہل عرب نے طب کے فن میں جو ترقی کی وہ آگے چل کر موجودہ دور میں معلومات و تحقیقات کی بنیاد بنی، مثلاً منصور بن محمد نے 1396ء میں تفریح المصنوعی لکھی۔ جو جسمانی اعضاء کی تصویروں سے مزین تھی۔ اسی طرح علم جراثیم میں ابوالقاسم الربروی کی کتاب بھی تصویروں اور نقشوں کی تشریحات سے آراستہ تھی۔ برہان الدین نے بتایا کہ خون میں سکرالٹین پائی جاتی ہے اور رازی نے بتایا کہ معدے میں ایک حیرانی رطوبت موجود ہے۔ ابن نفیس نے پہلی بار نظام دوران خون کا نظریہ بیان کیا۔



ذائقہ جست

ترین، جامع اور مقبول و مشہور کتاب ہے۔ ارازی اپنے طبی علم و تجربات میں بوعلی سینا کے مقابل تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی کے زیادہ تر ایام شفاخانوں میں مریضوں کے معائنے اور معالجے میں گزارے۔ وہ بغداد کے عظیم الشان شفاء خانہ کا افسر الاطباء تھا۔

اسلامی حکومت میں سب سے پہلا شفا خانہ ولید بن عبد الملک نے 88ھ میں بنوایا تھا۔ یہ شفاخانہ جزام (کوڑھ) کے مریضوں کے لیے تھا۔ مریض کو الگ رکھا جاتا اور اس کے طعام و علاج کا انتظام مفت کیا جاتا تھا۔ عیسیٰ دور خلافت میں عربی شفاء خانوں کی ایک طویل فہرست ہے جہاں مریضوں کے قیام و طعام کا باقاعدہ انتظام ہوتا تھا۔ علاج کے لیے ماہر اطباء مقرر تھے اور پورے شفاء خانے کی نگرانی کے لیے ایک افسر الاطباء مقرر کیا جاتا تھا۔ یہ عہدہ سب سے پہلے تخلیق کر دیا گیا تھا۔

علاج حیوانات:

علم طب کی ایک شاخ جانوروں اور مویشیوں کے علاج سے متعلق تھی جس کو علم البیطرہ کہتے ہیں۔ عربوں نے اس شعبے کو بھی فروغ دیا اور اس موضوع پر کئی کتابیں لکھیں۔ بازوں کی پرورش اور علاج، گھوڑوں کی نشوونما اور ان کے امراض و علاج سے متعلق تفصیلی بحث ان کی کتابوں میں ملتی ہے۔

عربی طب میں ہند کا انجذاب:

عرب اطباء نے ہندوستان کی قدیم طبی کتابوں سے بھی استفادہ کیا ”القانون فی الطب“ وغیرہ میں ہندی آیورویدک سے متعلق کافی کچھ تفصیل ملتی ہے۔ ہندوستان کے آیورویدک طریق علاج کو عربوں نے اپنے طب میں شامل کیا اور اسے ترقی دی۔ غرض یہ کہ جس طرح اور جہاں سے اہل عرب کو معلومات مل سکی انھوں نے حاصل کی اور اپنے علمی و طبی تجربات میں اسے شامل کر کے ترقی کی راہ ہموار کی۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ خورد و بین کی ایجاد سے پہلے کسی نے جراثیم کو اپنی آنکھوں سے نہیں دیکھا تھا تاہم متعدد امراض کے متعلق اپنی سوچ و بوجھ سے مسلم اطباء نے اس کے ذریعے کو ضرور معصوم کر لیا تھا۔ چنانچہ حارون کے بارے میں بتایا گیا تھا کہ مریض کے ربط سے یہ بیماری پھیلتی ہے۔ اس لیے انھوں نے یہ تجویز پیش کی کہ ایسے مریضوں کو الگ رکھا جائے۔ مسلمانوں نے پہلی بار معدے سے فضلات کے اخراج کے لیے ”انیوب مادہ“ (Stomach tube) کا استعمال شروع کیا۔

علم الادویہ:

علم الادویہ میں بھی عربوں کی بیش بہا خدمات ہیں۔ چنانچہ انھوں نے شجر پوند، کافور، سنہ کے افعال و خواص معلوم کیے اور ان کو اپنی قرابہ دین (فارماکوپیا) میں شامل کیا۔ اسی طرح بنج (بھنگ) کا استعمال بھی معالجاتی مقصد کے لیے سب سے پہلی مرتبہ عربوں نے شروع کیا۔ جراندہ شرق الہند اور چین سے دستیاب ہونے والی بے شمار دواؤں کا اضافہ کیا۔ شلا، صندل، دارچینی اور قرغل وغیرہ سے عربوں نے دنیائے طب کو روشناس کر لیا۔

طب میں علم کیمیاء کی بنیاد بھی مسلمانوں نے رکھی۔ چنانچہ عربوں نے پہلی بار ترشح، تصعید، تقطیر، تذبذب اور مبلور کے طریقے بیان کئے اور بے شمار کیمیائی مرکبات مثلاً نائٹریک تیزاب، سلفورک تیزاب، نائٹروہائیڈروکلورک تیزاب، لائیکرامونیا، مرکری کلورائیڈ، مرکری آکسائیڈ، پوٹاشیم نائٹریٹ، فرائی سلفاس وغیرہ بنائی۔ مختلف قسم کے کھار (Bases) اور تیزاب تیار کیے۔ ساتھ ہی الکحل سے دنیائے طب کو روشناس کر لیا۔

قرون وسطیٰ میں علم طب کے ممتاز طبیب:

قرون وسطیٰ کے ماہرین طب میں شیخ الرئیس بوعلی سینا، علی ابن عباس مجوسی، علی ابن ربن الطبری اور زکریا رازی نے دنیائے طب کو اپنے علمی و تجرباتی کارناموں اور تصانیف سے بے حد متاثر کیا۔ ابن سینا کی کتاب ”القانون فی الطب“ قرون وسطیٰ کی اہم



تعلیم کا چیلنج

سکون عمل ہے قدرت کے کارخانے میں
ثبات ایک تعمیر کو ہے زمانے میں

ہر زمانہ اپنے ساتھ جہلکات اور طوفان لے کر آتا ہے۔ کچھ لوگ ان طوفانوں کی آمد کی پیش بینی کر لیتے ہیں۔ ان کی سمت و رفتار کو پہچان کر ان کی لہروں کو اپنے دلخواہ انداز میں ڈھال لیتے ہیں اور ان طوفانوں کا رخ اپنی من پسند سمتوں میں موڑ کر ان کو

ثبات مناجز برآمد ہوں گے۔ اقبال نے جو

”نگاہ مرد مومن سے بدل جاتی ہیں تقدیریں“

کی بات کہتی تھی یہ نری روانیت نہیں تھی بلکہ یہ اسی مرد مومن کی نگاہ تھی جس کی ذات میں ہی دانش و فراست، تدبیر گری، جانفشانی و جدوجہد اور یقین محکم جیسی صفات موجود تھیں۔ یہ اور ان جیسی بہت سی صفات جس فرد یا گروہ میں موجود ہوں گی وہ یقیناً طوفانوں

معقول اسباب کی بنا پر انیسویں صدی میں جو نفرت مسلمانوں کے دل میں مغرب کے خلاف پیدا ہوئی اس کے باعث مغرب سے آنے والے جدید علوم کو بھی شبہ اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ انیسویں صدی میں شاید پہلی بار علوم کی تقسیم کی گئی۔ جدید اور قدیم، دنیاوی اور دینی، عصری اور مذہبی، مغربی اور مشرقی، مغرب سے آنے والے علوم کو جدید، دنیاوی اور عصری کے خانہ میں رکھ دیا گیا اور مدارس میں پڑھائے جانے والے علوم قدیم، دینی اور مذہبی کہلائے۔

کے رخ پھیر دے گا اور ہر انقلاب کو اپنی حسب دلخواہ سمت دے سکے گا، بلکہ یہ کہنا زیادہ صحیح ہو گا کہ ایسے گروہ اپنی ہمت و حوصلہ سے ہر دم نئے انقلاب پیدا کرتے رہتے ہیں۔

وہی ہے صاحب امروز جس نے اپنی ہمت سے

زمانے کے سمندر سے نکالا گوہر فردا

ہندوستان میں انیسویں صدی کے آغاز میں ہی انقلاب کی دھمک واضح طور پر سنی جانے لگی تھی۔ کچھ طبقوں نے اس کی آمد کو اٹھارویں صدی میں ہی بھانپ لیا تھا اور اس کے مطابق خود کو

اپنا تابع بنالیتے ہیں۔ گویا زمانہ کے منہ زور گھوڑے کی باگیں ان کے ہاتھ میں ہوتی ہیں اور اس کو وہ جس طرف چاہتے ہیں لے جاتے ہیں۔ زمانے کی اس متابعت کے ساتھ ساری دنیا ان کی تابع ہوتی ہے۔ یہ صورت حال نہ مجبوری سے پیدا ہوتی ہے، نہ ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہنے سے، نہ خوش فہمیوں کے گتیدوں میں بند ہونے سے بلکہ اس کے لئے جہاں ایک طرف عقل رسا اور تدبیر گری کی ضرورت ہوتی ہے وہیں دوسری طرف سخت جانفشانی اور جدوجہد بھی درکار ہوتی ہے اور یہ یقین کامل بھی کہ ان سب کے



ذائقہ

انھیں آئینا نو سے ڈرنے اور طرزِ کھن پر اڑنے میں خیر و فلاح نظر نہیں آئی۔ بلکہ ایک آبرو مند نہ سمجھو یہ کرنے میں ہی بہتری کی صورت دکھائی دی۔

1857ء کے ہولناک واقعات نے سنجیدگی کے ساتھ غور و فکر کرنے اور لائحہ عمل مرتب کرنے پر مجبور کیا۔ سر سید کی بعد کی چالیس سالہ زندگی اسی سوچ بچار کرنے اور انھیں عملی شکل دینے میں گزری۔ ان کے ساتھ مخلص کارکنوں کی ایک جماعت بھی تیار ہو گئی۔ اس سب غور و فکر اور اس کی عملی شکلوں کا محور مندرجہ ذیل نکات تھے:

- ☆ اس دور میں مغرب (اس وقت خاص طور پر انگلستان) نے علوم میں کافی ترقی کر لی ہے ہمیں ان علوم کو سیکنا چاہئے۔
- ☆ علوم کی ترقی سے طرح طرح کی مشینیں اور کلیں (مکانا لوجی) وجود میں آئی ہیں جن سے کام لے کر زندگی میں سہولتیں بھی پیدا ہوئی ہیں اور تیز رفتاری بھی۔ ان کا علم بھی حاصل کرنا چاہئے اور ان سے استفادہ کرنا چاہئے۔
- ☆ مذہب کے عقائد و احکامات تو ناقابلِ ترمیم ہیں، لیکن معاشرتی احوال زمان و مکان کے مطابق بدلتے رہتے ہیں۔ ان تبدیلیوں کو قبول کرنا چاہئے۔
- ☆ قدامت پرستی کی وجہ سے جو بہت سی ناشائستہ باتیں ہماری معاشرت میں شامل ہو گئی ہیں ان کی اصلاح ہونی چاہئے۔
- ☆ مذہب کے نام پر بہت سے توہمات ہماری زندگی میں شامل ہو گئے ہیں، ان کی تنقیح کر کے عقائد کی درستی پر توجہ کرنی چاہئے۔
- ☆ قدامتے اسلامی منقولات کی یونانی معقولات کے ساتھ تطبیق کی کوشش کی تھی۔ اب جب کہ بہت سے یونانی معقولات مسترد ہو چکے ہیں، جدید معقولات کی روشنی میں اسلامی منقولات کو سمجھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔

ڈھالنے کی کوششیں شروع کر دی تھیں۔ مسلمانوں میں سر سید اور جن جیسے چند دیگر حضرات کا احساس اس وقت بیدار ہوا جب انقلاب کی موج خوں سر سے گزر چکی تھی اور انقلاب اپنی تمام تر ہلاکت خیزیوں کے بعد اپنے قدم جما چکا تھا۔ جو کچھ بیت چکا تھا، اس نے بڑے بڑوں کے دل دہلا دیئے تھے، شکست خوردگی اور مایوسی کا احساس دلوں میں جا گزریں کر دیا تھا۔ خوف اور دہشت کا

زمانہ اور زندگی کی سنگین حقیقتوں کے دباؤ میں قلیل تعداد جو جدید علوم کی طرف متوجہ بھی ہوئی، اس نے بھی نیم دلی کے ساتھ ان کو اختیار کیا۔ وہ خوش دلی، جوش و خروش اور یکسوئی کے ساتھ زمانہ کے تقاضوں پر لبیک نہ کہہ سکے۔ یہ کشمکش آج بھی جاری ہے۔ آج بھی دینی علوم اور دنیاوی علوم کی تقسیم کی جارہی ہے

ایسا ماحول پیدا کر دیا تھا کہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیتیں سلب ہو رہی تھیں۔ سیاست و سلطنت کے انقلاب کے جلو میں جو تہذیبی، ثقافتی اور مذہبی انقلاب دستک دے رہا تھا، وہ او دھمی زیادہ پریشان کن تھا۔ کچھ طبقات ان انقلابات سے خود کو ہم آہنگ کر چکے تھے اور بوجہ ان کا استقبال کر رہے تھے اور ان سے متوجہ ہو رہے تھے۔ کچھ طبقات نے ان سے نبرد آزما کی کی ٹھانی لی۔ سر سید اور ان کے رفقاء نے نہ یہ سکت پائی کہ وہ حالات سے نبرد آزما کی کے لئے اٹھ کھڑے ہوں، نہ اسے جہن و پست سمجھتی کا مظاہرہ کیا کہ خود کو کلیتہً اس طوفان کے حوالے کر دیں۔ انھوں نے عقلی اور عملی شکل اختیار کی۔



ذائقہ

مرسید کا زور اول الذکر وہ پر ہی تھا، لیکن آخر الذکر نکات نے ایسے تنازعات پیدا کر دیئے کہ اول الذکر بھی ان کی غلطیوں سے نہ بچ سکے۔

اسلام نے حصول علم پر زور دیا تھا۔ اسی کا نتیجہ تھا کہ مسلمانوں نے اکتساب علم میں کسی اہتساب کو رو نہیں رکھا بلکہ جہاں بھی علم و حکمت کی جو بات ملی اس کو سیکھا۔ انھوں نے ایک زمانہ تک نہ صرف علوم کے خزانوں پر اپنا تسلط قائم رکھا بلکہ اس میں بے پناہ اضافے بھی کیے۔ ان کے مدارس میں قرآن اور علوم قرآن، حدیث، فقہ وغیرہ خالص دینی علوم کے علاوہ ادب، فلسفہ، منطق، طب، ریاضی، ہندسہ، ہیئت، وغیرہ کی تعلیم دی جاتی رہی۔ زمرہ ثانی کے علوم (ادب کے علاوہ) بنیادی طور پر یونان سے در آمد ہوئے تھے جنھیں اسلامی دنیا نے اپنے غلبہ و اقتدار کے زمانے میں اس طرح قبول کر لیا تھا اور پھر ان میں ایسے شائد اضافے کیے تھے کہ ان پر اسلامی چھاپ لگ گئی۔ مدرسوں سے باہر نجوم، رمل، جفر، موسیقی، مصوری وغیرہ کی تعلیم پر بھی کسی کو کوئی خاص اعتراض نہیں ہوا حالانکہ ان میں سے بعض اسلامی عقائد سے متصادم بھی تھے۔ لیکن معقول اسباب کی بنا پر انیسویں صدی میں جو نفرت مسلمانوں کے دل میں مغرب کے خلاف پیدا ہوئی اس کے باعث مغرب سے آنے والے جدید علوم کو بھی شبہ اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھا گیا۔ انیسویں صدی میں شاید پہلی بار علوم کی تفہیم کی گئی۔ جدید اور قدیم، دنیاوی اور دینی، عصری اور مذہبی، مغربی اور مشرقی، مغرب سے آنے والے علوم کو جدید، دنیاوی اور عصری کے خانہ میں رکھ دیا گیا اور مدارس میں پڑھائے جانے والے علوم قدیم، دینی اور مذہبی کہلائے۔ یونان سے آئے ہوئے علوم بھی اسی مؤخر الذکر زمرہ میں ضم ہو گئے۔

زمانہ کی مساعدت اول الذکر کے حق میں تھی۔ زندگی کی ساری

ضرورتیں انھیں سے وابستہ ہوتی جا رہی تھیں۔ ملازمت، تجارت، کاروبار، صنعت و حرفت، غرض زندگی کے تمام شعبوں کا ذریعہ یہی علوم بنتے جا رہے تھے۔ مرسید اور ان کے رفقاء جس بات کی پُر زور حمایت کی وہ یہی تھی کہ زندگی کی دوڑ میں حصہ لینا ہے تو

آج بھی بعض حلقوں کی طرف سے یہ خیال عام کیا جا رہا ہے کہ ”علوم دین“ ہی اصل علم ہیں اور اسلام نے جو اکتساب علم پر زور دیا ہے اس سے مراد ”دینی علوم“ ہی ہیں۔ اس استدلال سے عصری علوم کی نہ صرف تکذیب و تحقیر ہوتی ہے بلکہ ناپختہ ذہنوں میں یہ دین کے حریف و مقابل بن جاتے ہیں اور اس لئے ناقابل التفات۔ عصری علوم سے بیزار ی یا کم از کم بے رغبتی ہماری سانگی میں داخل ہو گئی ہے۔ جدید تعلیم سے دوری و محرومی کا ایک بڑا سبب یہ نفسیاتی گر ہیں بھی ہیں جو ہمارے اجتماعی شعور کا حصہ بن گئی ہیں۔

جدید علوم حاصل کرنا ہوں گے۔ مریضانہ قدامت پرستی اور طرز کہن کو چھوڑ کر جدید اور عقلی نقطہ نظر کو اپنانا اور علوم عقلی کی مدد سے مذہب کو قابل قبول بنانا ہو گا۔ قدامت پرست حلقوں کی طرف سے اس فکر کی مخالفت کی گئی۔ عوام الناس جو پہلے ہی قدامت پرستی کا شکار تھے، اسی مخالفت کے ہم نوا ہو گئے۔ انیسویں صدی کا نصف دوم اسی کشمکش میں گزرا۔ ایک طرف وہ لوگ تھے جو زمانہ کے تقاضوں کو سمجھ رہے تھے۔ ان کے جلو میں جو تبدیلیاں آرہی تھیں، ان کو چشم پیتا سے دیکھ رہے تھے، بہت سی نئی چیزوں کی افادیت کا



ذاتِ جست

ہیں اور اسلام نے جو اکتسابِ علم پر زور دیا ہے اس سے مراد ”دینی علوم“ ہی ہیں۔ اس استدلال سے عصری علوم کی نہ صرف تکذیب و تنقیر ہوتی ہے بلکہ ناپائندہ ذہنوں میں یہ دین کے حریف و مقابل بن جاتے ہیں اور اس لئے ناقابلِ التفات۔ عصری علوم سے بیزاری یا کم از کم بے رغبتی ہماری سماجی میں داخل ہو گئی ہے۔ جدید تعلیم سے دوری و محرومی کا ایک بڑا سبب یہ نفسیاتی گریز بھی ہیں جو ہمارے اجتماعی شعور کا حصہ بن گئی ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ:

☆ ملک میں مسلم شرحِ تعلیم (حتیٰ کہ خواندگی بھی) دوسرے طبقوں سے کم ہے۔

☆ اعلیٰ تعلیم میں یہ فرق بہت زیادہ ہے۔

☆ مسلمانوں نے اپنے تعلیمی ادارے بہت کم قائم کیے۔

☆ جو تھوڑے بہت ادارے قائم ہوئے وہ بھی ترقی نہ کر سکے۔

☆ ان اداروں میں کوئی اچھا تعلیمی معیار قائم نہ ہو سکا۔

☆ دوسرے اداروں میں پڑھنے والے مسلم طلبہ بھی کوئی اچھا تعلیمی معیار پیش نہیں کر سکے۔

☆ مسلم امیدوار مقابلہ جاتی امتحانوں میں شرکت کی بہت ہی نہیں کر پاتے۔ اس لئے تناسبِ شرکت اور تناسبِ کامیابی مایوس کن حد تک کم رہتے ہیں۔

☆ مقابلہ جاتی امتحان یا ملازمتوں کے لئے ہوتے ہیں یا اعلیٰ اچھے کورسز میں داخلوں کے لئے۔ نتیجتاً ملازمتیں مل پاتی ہیں نہ اچھے کورسز میں داخلہ۔

یہ چند مظاہر ہیں اس نیم دلی اور بے رغبتی کے جو جدید تعلیم کے سلسلے میں ہماری نفسیات کا حصہ بن چکی ہے۔ زمانہ اور زندگی کے تقاضے اس قدر شدید ہیں کہ ہم جدید تعلیم سے نہ روگردانی کر سکتے ہیں نہ اس سے دست کش ہو سکتے ہیں۔ مگر تذبذب اور پس و پیش کے ساتھ جو کام ہو گا، اس سے کسی اچھے نتیجہ کی امید

اعتراف کر رہے تھے اور ان کو قبول کر لینے کی ترغیب دے رہے تھے۔ یہ گویا نہ کورہ بالا دوسرے زمرہ کے لوگ تھے۔ دوسری طرف وہ لوگ تھے جنہوں نے خود کو حصاروں میں بند کر لیا تھا۔ اس سے باہر نہ دیکھنا چاہتے تھے نہ ٹھوس حقائق کا اعتراف کرنا چاہتے تھے نہ ان کو قبول کرنا چاہتے تھے۔ ان رویوں کی تائید روایتی دلائل سے کرتے تھے۔ اس طرزِ استدلال اور اس کے بدولت کو عوام میں مقبولیت حاصل تھی۔ اگرچہ زمانہ کے تقاضوں سے چشم پوشی کرنا بھی محال تھا۔ زندگی کی سنگلاخ حقیقتیں ایک طرف دامن کشاں تھیں اور قدامت پرستی دوسری طرف۔

ایمان مجھے روکے ہے تو کھینچے ہے مجھے کفر

کعبہ مرے پیچھے ہے کلیسا مرے آگے

ہمارے فکر و عمل دو ٹوٹ ہو گئے۔ ایک دلچسپ مثال اکبر الہ آبادی کی ہے۔ وہ ساری عمر سرکارِ انگریزی کی ملازمت کرتے رہے۔ مگر ساتھ ہی انگریزوں، انگریزی تہذیب اور اس کے متعلقات اور انگریزی حکومت کو طنز و مزاح کے پیرایہ میں ہی سہی، اپنی تنقید و تعریض کا ہدف بھی بناتے رہے۔ اس تنقید و تعریض میں جدید تعلیم بھی شامل تھی۔ خود انہوں نے اپنے بیٹے کو اعلیٰ تعلیم کے لئے انگلستان بھی بھیجا۔ گویا ایک زندگی کی ٹھوس حقیقتوں کا اعتراف تھا اور دوسرا دلی خیالات کا مظہر۔ خیال و عمل کی یہ دوئی پورے معاشرہ میں سرایت کر گئی، جب یہ دوئی ہو تو کوئی بھی عمل پوری قوت و توانائی کے ساتھ انجام نہیں دیا جاسکتا۔ زمانہ اور زندگی کی سنگین حقیقتوں کے دباؤ میں قلیل تعداد جو جدید علوم کی طرف متوجہ بھی ہوئی، اس نے بھی نیم دلی کے ساتھ ان کو اختیار کیا۔ وہ خوش دلی، جوش و خروش اور یکسوئی کے ساتھ زمانہ کے تقاضوں پر لبیک نہ کہہ سکے۔ یہ کشمکش آج بھی جاری ہے۔ آج بھی دینی علوم اور دنیاوی علوم کی تقسیم کی جارہی ہے۔ ان کو الگ الگ خانوں میں بانٹ کر دیکھا جا رہا ہے۔ آج بھی بعض حقوق کی طرف سے یہ خیال عام کیا جا رہا ہے کہ ”علوم دین“ ہی اصل علم



ذائقہ

رہی ہیں۔ ایک تیسری وجہ زندگی کے بدلنے ہوئے تقاضے ہیں جن کو پورا کرنے کے لئے نظام تعلیم میں آئے دن تبدیلیاں کرنا پڑتی ہیں۔ یہ سب بڑے ہی طوفانی انداز میں ہو رہا ہے۔ کوئی ٹھہراؤ نہیں کوئی منزل نہیں، منز میں گردی مانند آؤی جاتی ہیں۔ ایک منزل ملے نہیں ہو پاتی کہ دوسری نمودار ہو جاتی ہے۔

”جو منزل پر پہنچے تو منزل بڑھا دی“

مقابلہ آرائی کا ایک اور عنصر ان طوفانی تبدیلیوں میں شامل ہو رہا ہے۔ زندگی کے ہر شعبہ میں مقابلہ آرائی بڑھ رہی ہے۔ ملازمت، تجارت، صنعت و حرفت، کوئی بھی شعبہ اس سے خالی نہیں۔ تنازع لابق کی جیسی سنگین شکل اب پیدا ہوئی ہے شاید کبھی رہی ہو۔ خود کو باقی وہی رکھ سکتا ہے جو خود کو دوسروں سے بہتر ثابت کر سکے۔

اب اس صورت حال میں وہ طبقات جو اسکیمز اور تذبذب کا شکار ہوں، اس رفتار کا کہاں ساتھ دے سکتے ہیں زندگی کے جبر سے دوچھنے ہیں، لڑکھڑاتے ہیں، گرتے ہیں، پھر اٹھ کر چلتے ہیں۔ اس سستی رفتار سے پیدا ہونے والے نتائج سے جو مایوسی پیدا ہوتی ہے وہ رفتار کو اور ست کر دیتی ہے اس میں کسی دوسرے کا بھی قصور نہیں۔ زمانہ تو اپنی رفتار سے چل رہا ہے اور چلے گا۔

دو یا کو اپنی سوچ کی غلطیوں سے کام
کشتی کسی کی پار ہو یا درمیاں رہے

فطرت کا نظام کچھ ایسا ہی ہے۔

چلنے والے نکل گئے ہیں

جو ٹھہرے ذرا کچل گئے ہیں

ہم زمانہ کی رفتار کا ساتھ نہ دے سکے، نتیجتاً کچلے ہی جا رہے ہیں، مگر کب تک؟ اس صورت حال سے نکلنے کی تدبیر تو کرنی ہی پڑے گی۔ زمانہ کے تقاضوں کو سمجھنا اور ان کو پورا کرنے کی کوشش کرنی ہی ہوگی۔ زمانہ کو اپنے ساتھ نہیں لے چل سکتے تو زمانہ کے ساتھ چلنا ہی پڑے گا۔

نہیں کی جاسکتی۔ نہ اس میں اقدامیت پیدا ہو سکتی ہے نہ آگے بڑھنے کی جرات و جسارت۔ ہماری حیثیت اس ایسے پابجولاں کی سی ہے جس کے پیروں میں تذبذب و کشش کی بیڑیاں پڑی ہوئی ہیں، جو چلنا چاہتا ہے مگر بیڑیاں مانع آتی ہیں اور لڑکھڑا کر کھڑا رہی قدم اٹھا سکتا ہے۔

گزشتہ دو صدیوں میں ملک کا تعلیمی کارواں مختلف منازل و مراحل سے گزرا ہے۔ ہر مرحلہ پر اس میں تبدیلیاں واقع ہوئی ہیں، اس کا فلسفہ بدلا ہے۔ اس کا مزاج و منہاج بدلا ہے، اس کا ڈھانچہ بدلا ہے۔ ان میں سے اکثر تبدیلیاں ہمارے مزاج و منشا کے مطابق نہیں ہوئیں۔ ہم نے ان کو خوشدلی کے ساتھ قبول کیا، نہ ان کے ساتھ خود کو اس طرح ہم آہنگ کیا کہ ان سے پورا فائدہ اٹھا سکیں یا ان پر اثر انداز ہوں اور ان کو اپنے انداز پر ڈھال لیں۔ سرسید کی دور میں نگاہیں ان انقلابات کو مستقبل کے پردے میں دیکھ رہی تھیں۔ اسی لئے وہ اس بات پر زور دے رہے تھے کہ ہمیں اپنی تعلیم کو اپنے ہاتھ میں لینا چاہئے۔ اس کی ادنی صورت تو یہ تھی کہ ہمارے تعلیمی ادارے بڑی تعداد میں قائم ہوں اور بہتر صورت یہ کہ نظام تعلیم پر ہماری گرفت ہو۔ ہم ان دونوں میں سے کوئی ایک بھی نہ کر سکے۔

گزشتہ پچاس سال میں تعلیم و نظام تعلیم میں تبدیلیوں کی رفتار تیز ہو گئی ہے۔ اس کی ایک وجہ علم کی تیز رفتار ترقی ہے جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انیسویں اور بیسویں صدی کے ابتدائی نصف کے مقابلہ میں یہ رفتار دس گنا بڑھ گئی ہے۔ علم کی ہر شاخ میں نئی دریافتیں ہو رہی ہیں اور ہر دریافت نئے حقائق کی طرف اشارہ کرتی ہے جس سے مزید نئی دریافتوں کا دروازہ ہوتا ہے۔ ہر زندہ و متحرک نظام تعلیم ان ترقیات کا احاطہ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ دوسری وجہ معاشرتی، اقتصادی، سیاسی اور نفسیاتی تبدیلیاں ہیں جو پورے معاشرہ پر اثر انداز ہو رہی ہیں اور فکری نتائج کو بدل



۱۔ اثر اور اس کی وجہ Cause And Effect ہی سائنس ہے۔
۲۔ قدرت کے قانون تو ہمیشہ سے ہیں ہم صرف ان کو ڈھونڈتے ہیں۔
۳۔ سائنسدانوں پر مستقل ایک چیلنج رہتا ہے۔
۴۔ ارسطو نے کہا تھا کہ دنیا میں سب سے مشکل کام ہے صحیح آدمی سے صحیح وقت پر صحیح سوال کرنا۔ نیوٹن نے سیب کے گرنے سے اپنے آپ سے سوال کیا اور دنیا کو گریویشن کا قانون دیا۔

قانون دیا۔

انقلاب اس وقت آیا جب آگ دریافت ہوئی پھر گھر کا تصور۔ پھر ہتھیار اور بھگت۔ اپنی بات کہنے کے لیے لفظ اور زبان بنی۔ اسی طرح کے انقلابات آتے رہے اور آتے ہی جا رہے ہیں۔ یعنی پہلے ہنا، قم ہنا، کپڑا ہنا، سائیکل، ناؤ، پانی کے جہاز، بجلی، بارود، ہندو، موزر، ریل، مائیکرو اسکوپ، ٹیلی فون، ریڈیو، انس، تصویہ، فوٹو گرافی، ہوائی جہاز، فریج، بم، ٹیلی ویژن، وغیرہ وغیرہ کہاں تک گنتی کی جائے۔

ہر ایجاد میں بہت وقت لگا بہت سے تجربے ہوئے اور بس ایک ہی قابل قبول رہا۔ ان تجربات میں برابر ترقی ہو رہی ہے اور انسانی دماغ اپنی ضرورتوں کے حساب سے نئی نئی چیزیں دریافت کرتا جا رہا ہے۔ کچھ عجیب سے پہلو بھی سامنے آئے۔ جب برادراور کابرکس نے کہا کہ زمین سورج کا چکر لگاتی ہے جبکہ بائبل کی رو سے

سورج زمین کا چکر لگاتا ہے تو لوگوں نے ان دونوں کو چپے نہیں دیا۔ پھانسی دی مگر جب ایک سائنسدان اور سیاست دان ٹیکیلو نے یہی بات دوسرے انداز سے کہی تو جان بھی بچی، بات بھی رہی اور نام بھی ہوا۔



ذات جیٹ

اگر ہم سے نہ بھی ہوئی تو آکسیجن کی کمی سے ہو جائے گی۔ ہم نے بہت کچھ بنایا مگر خون کے اجزاء جانے کے بعد بھی نہ بنا سکے ہیں۔

اس سوپائل فون نے تو حال ہی میں وہ جھلانگ لگائی ہے کہ واقعی ”دنیا میری مٹھی میں“ والی بات ہو چکی ہے۔ یہ فون بھی، ٹی وی بھی، خط بھی خبر بھی، گانے بھی، امتحان ہال میں سوالوں کے جواب بھی۔ اب کیا ہوتا ہے۔ آبادی بڑھی ہے۔ غلہ بڑھا ہے۔ کام بڑھا ہے۔ لیکن دنیا چھوٹی ہوئی ہے۔ صاف پانی گھٹا ہے۔ صاف ہوا گھٹی ہے۔ اوزون کی پرت جو سورج کی الٹرا وائیولٹ کرنوں کو زمین پر آنے سے روکتی ہے۔ بہت تلی ہو چکی ہے اور بہت سی جگہ سے ٹوٹ چکی ہے۔ یہ سب کاربن کے جلنے، کلورین کے اڑنے سے ہوا ہے اور بڑی تیزی سے ہو بھی رہا ہے۔ یہ ہمارے لیے اور آنے والی نسلوں کے لیے ایک مستقل نشتی ہوئی تلوار ہے۔ ہم کیا کیا کر چکے ہیں ہاں اپنی ایجادات کی بدولت۔ بیماری کا سیلاب آسکتا ہے۔ کھربوں سال کا جمع کوئلہ قریب قریب ختم کر چکے۔

کھربوں سال کا جمع تیل بھی بہت حد تک نکال چکے اور یہی صورت پانی کی ہے جو زمین کے نیچے تھا، وہ بھی اسی ماحول میں ہے مگر ہم اسے نکال کر نالی سے نالوں میں اور پھر چھوٹی ندی سے بڑی ندی میں اور آخر میں سمندر میں پہنچا چکے۔ جو صاف تھا اسے گندہ یا کھاری بنا چکے۔

جنگل کاٹ کر بنجر بنا چکے۔ اب کھیتوں کو پلاسٹک کی تھیلیوں سے پاٹ رہے ہیں۔ جو زمین کے اندر پانی جانے ہی نہ دے

کو دیکھ کر بات کی جاسکتی ہے۔ اصل ملاقات کا مزہ لیا جاسکتا ہے۔ فیکس کی مدد سے لکھے خط کو اپنی ہی لکھائی میں بالکل اسی وقت دنیا کے کسی بھی کونے میں بھیجا جاسکتا ہے۔

خراب آنکھ کی پٹی کی جگہ پر جیلی سے بنی پٹی لگا کر عینک کی ضرورت ختم کی جاسکتی ہے۔ یوں تو کنٹیکٹ لینس پہلے ہی بنا تھا۔ یہی حال لیور، گردے، آنکھ، ناک، کان، جلد، دل اور بھی سب کچھ کا ہے۔ ہوا میں چلنے والی اور ایک پٹری پر رکنے والی ریل گاڑی بھی جاپان میں چل رہی ہے۔ جس کی رفتار بھی ہوائی جہاز کے ہی قریب ہے۔

مائیکرو ویو اودن یا کیبل ٹی وی کی کیا بات کریں اب تو آوازی خط کے ذریعہ میڈیکل ٹرانسکریپشن ہوتا ہے کاروبار ہوتا ہے۔ ہم امریکہ سے ساڑھے دس گھنٹے آگے ہیں تو جب وہاں صبح کے 9 بجے ہوں گے تو ہمارے یہاں شام کے ساڑھے سات بجے ہوں گے۔ یعنی جب وہاں ڈاکٹر مریض کو دیکھ کر جو بھی کہے گا، اس کا پورا نسخہ اس کی پوری کیفیت، علاج کی دوائیں کیا کریں اور کیا نہ کریں لکھا کھا سکتے ہیں وغیرہ وغیرہ بنا کر واپس اسی دن اسی میل سے بھیج سکتے ہیں۔ اسی طرح ہم کو کام بھی ملا اور فارن ایکس چینج بھی اور وہاں والوں کا کام کم دام میں ہو گیا۔

انٹاک بم تو پہلے سے تھے، نیوکلیئر بم بھی بنے تھے اب تو کلسٹر بم بھی بنے ہیں جو ہوائی آکسیجن استعمال کر لیتے ہیں۔ یعنی ہلاکت

WITH BEST COMPLIMENTS FROM:

UNICURE (INDIA) PVT.LTD.

MANUFACTURERS OF DRUGS & PHARMACEUTICALS UNDER WHO NORMS

C-22, SECTOR-3, NOIDA-201301

DISTT. GAUTAM BUDH NAGAR (U.P)

PHONE : 011-8-24522965 011-8-24553334

FAX : 011-8-24522062

e-mail : Unicare@ndf.vsnl.net.in



ایک ستم رسیدہ محقق

کے علم و فضل سے متاثر ہو کر اسے اپنے دربار میں طلب کر لے اور وزیر صاحب کی وزارت خطرے میں پڑ جائے۔ اب ایک صورت تو یہ تھی کہ وہ قیدے کو خلیفہ کے پاس نہ بھیجے اور معاملہ ختم ہو جاتا۔ لیکن وزیر صاحب نے یہ ضروری سمجھا کہ محقق کو اس طرح تباہ کیا جائے کہ وہ آئندہ ابھرنے نہ پائے اور خود وزیر صاحب بھی براہ راست محقق کی تباہی کے ذمہ دار قرار نہ دیے جائیں۔ چنانچہ انھوں نے امیر ناصر الدین حشم والی قہستان کو، جس کے علاقہ میں طوسی مقیم تھے، خط لکھا اور اس میں انھیں ہدایت کر لیا کہ یہ خط ترک توسط سے یعنی Through Proper Channel نہیں ہے اس نے امیر ناصر الدین کو ڈرایا کہ نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔ امیر ناصر الدین غالباً ایک شریف لیکن بزدل قسم کے حاکم تھے۔ وہ وزیر کی رائے سے اس قدر متاثر و مرعوب ہوئے کہ انھوں نے محقق طوسی سے جواب طلب کرنے کی ضرورت محسوس نہ کی اور خلیفہ وقت کے حکم کے بغیر انھیں قید کر دیا اور اس طرح پندرہ سال تک یہ عظیم محقق زندان میں اسیر رہا۔

دورانِ اسیری:

اس اسیری کے دوران طوسی نے بوعلی بینا کی مشہور تصنیف ”اشارات“ کی شرح لکھی جو یورپ کی یونیورسٹیوں میں بھی مقبول ہوئی۔ اس شرح کے خاتمہ پر طوسی نے اپنی اسیری کے مصائب کا ذکر کیا ہے اور لکھا ہے کہ زمانہ قدیم میں اہل علم پر جو مصائب کا پہاڑ ٹوٹا اور جو مظالم کئے گئے وہ میں نے خود تو نہیں دیکھے لیکن آلام و مصائب کے جو پہاڑ مجھ پر توڑے جا رہے ہیں وہ قیاس انسانی سے

چودہ سو سال کی تاریخ میں مسلمانوں میں متعدد عالم، دانشور اور سائنسدان پیدا ہوئے لیکن محقق کا خطاب مسلمانوں نے صرف دو فضلاء کو دیا۔ پہلے محقق فاضل طوسی ہیں اور دوسرے دوانی ہیں۔ اسی طرح جیسے کہ معلم کا خطاب صرف دو دانشوروں کو دیا گیا۔ ارسطو کو معلم اول کا اور فارابی کو معلم ثانی کا۔ جس عظیم شخصیت کا ذکر مطلوب ہے وہ ہیں محقق نصیر الدین طوسی۔

ابتدائی دور:

نصیر الدین طوسی 597ھ میں پیدا ہوئے۔ فلسفہ اور ریاضی کی تعلیم اپنے عہد کے عظیم حکماء سے حاصل کی۔ تعلیم کے بعد امیر ناصر الدین حشم کے دربار میں پہنچے جو قہستان کا والی تھا۔ امیر ناصر الدین نے طوسی کی قدر کی اور اس کے لئے علمی مشاغل کا سامان پیدا کیا۔ چنانچہ اسی عرصہ میں طوسی نے ”اخلاق ناصری“ تصنیف کی جو اخلاقیات میں ایک عظیم کتب کا مقام رکھتی ہے۔

قیدِ سلاسل:

اس کے بعد طوسی پر ایسی افتاد پڑی کہ جس کی آہ و گہاں نہ سلطنت بغداد کی دھجیاں سمجھیں دیں۔ ہوا یہ کہ اسی زمانہ میں مستعصم باندہ عباسی خلیفہ بنو العلقمی وزیر مقرر ہوا۔ رواج کے مطابق طوسی نے دیگر اہل علم حضرات کی طرح ایک قیدیہ خلیفہ کی شان میں لکھا اور اسے ایک خط کے ساتھ وزیر مملکت ابن العلقمی کے پاس بھیجا۔ وزیر صاحب نے جب محقق طوسی کا قصیدہ دیکھا تو انھیں خطرہ پیدا ہوا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خلیفہ وقت محقق



ذائقہ

ان کے محو و فضل کا احترام کرتے ہوئے ان کے علمی مشاغل کی حوصلہ افزائی کی۔

رصد گاہ کا قیام:

607ھ میں ہلاکو خاں کے حکم سے مراغہ (تبریز) میں ایک رصد گاہ قائم کی گئی جس کا انصرام محقق طوسی کے سپرد کیا گیا اور اس طرح علم ہیئت میں تحقیق کے ایک ایسے دور کی ابتدا ہوئی جس کے اثرات صدیوں تک یورپ کے ہیئت دانوں اور ریاضی دانوں کی تحقیقات میں ملتے ہیں۔ مراغہ کی رصد گاہ سائنس کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے۔

اعتراف حقیقت:

یورپ کے ریاضی دانوں اور ماہرین علم ہیئت نے اس امر کا اعتراف کیا ہے کہ اس رصد گاہ میں اجرام فلکی کے مشاہدہ، نیز ریاضی اور اقلیدس کے مسائل حل کرنے کے لئے ایسے آلات استعمال ہوتے تھے جو یورپ میں کئی صدیوں بعد کو پرنیکس (Copernicus) وغیرہ کے زمانہ تک ناپید تھے۔ اس رصد گاہ میں محقق طوسی نے ریاضی کے ایسے مسائل پر مقالے لکھے جن پر عرصہ

بہر ہیں۔ بقول شاعر

خبر نہیں کہ بد خانہ سلاسل میں
تری حیات ستر آتش پہ کیا نثری
خبر نہیں کہ نگار سحر کی حسرت میں
تمام رات چراغ وفا پہ کیا نثری

رہائی:

آخر کار ایک وقت ایسا آیا کہ قید و بند اور آلام و مصائب کی یہ رات ختم ہوئی لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ اس عظیم سائنس دان کی زنداں سے رہائی اس فرد کے باقہوں عمل میں آئی جسے تاریخ کے بدترین ظالموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ 600ھ میں ہلاکو خاں نے الموت فتح کیا اور اس طرح محقق طوسی کو قید سے نجات حاصل ہوئی۔ اگلے سال ہلاکو خاں نے بغداد فتح کیا اور اس طرح مسلمانوں کی عظیم الشان سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ قدرت کا نظام عدل کچھ ایسا ہی ہے کہ ظالم سے ظالم فرد میں بھی چند خوبیاں ایسی ہوتی ہیں کہ جن کی وجہ سے نظام کائنات میں شر کو ابدیت حاصل نہیں۔ ہوتی تاریخ نے ہلاکو خاں کے خلاف فیصلہ دیا لیکن قدرت نے اس ظالم و جاہل شخصیت میں یہ خوبی و رحمت کی تھی کہ وہ اہل علم کی قدر کرتا تھا۔ ہلاکو خاں نے نہ صرف یہ کہ محقق طوسی کو قید سے نجات دلائی بلکہ

سبز چائے

قدرت کا انمول عطیہ

خطرناک کو لیسٹرول کی مقدار کم کر کے دل کے امراض سے محفوظ رکھتی ہے، کینسر سے بچاتی ہے۔

آج ہی آزمائیے

مناڈل میڈیکل یورپ



1443 بازار چٹلی قبر، دہلی، 110006 فون 23255672 2326 3107



ذائقہ

ریاضی، حیثیت اور اقلیدس وغیرہ کے علاوہ اخلاقیات اور فلسفہ میں بھی طوسی نے بیش بہا کارنامے انجام دیئے ہیں، جو علمی بین کی "اشارات" پر بھی کام کیا ہے۔ طوسی کی شرح پر متعدد شرحیں لکھی گئی ہیں جن سے منطق میں نئے زاویے پیدا ہوئے ہیں۔ اخلاقیات میں طوسی کی "اخلاقیات نامہ" یا "ارسطو کی" اخلاقیات کے بعد سب سے اہم کتاب تسلیم کی گئی ہے۔ فلسفہ اور علم کلام میں ایک نہایت عظیم تصنیف "تجربہ الکلام والعقائد" (تجربہ طوسی) ہے۔

افکار اسلامی کی شیرازہ بندی:

"تجربہ الکلام والعقائد" کی معنوی حیثیت دیگر اعتبارات کے علاوہ اس نے بھی اہم ہے کہ اس میں محقق طوسی نے اسلامی افکار کی شیرازہ بندی کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس کتاب میں جوہر

و عرض اجسام و جوہر و عدم علت و معلول اور عرض و غیرہ پر سیر حاصل بخش ہیں۔ اور ان بحثوں کی روشنی میں اسلامی افکار کے چار مکاتب فکر یعنی متکلمین، صوفیہ، مشائخہ اور اشراقیہ کا جائزہ لے کر ان مختلف عقائد اور نظریات کو ایک رشتہ میں منسلک کرنے کی کوشش کی ہے۔

اس طرح محقق طوسی نے اسلام اور اسلامی فکر و ثقافت کے استحکام اور سالمیت کی بہت بڑی خدمت انجام دی ہے۔

خواجہ نصیر الدین طوسی کی تصنیفات کی تعداد اڑیڑھ سو سے زیادہ ہے۔ علم و حکمت کی بیش بہا خدمات سرانجام دینے کے بعد 672ھ مطابق 1274ء میں محقق طوسی نے جان جاں آفریں کے سپرد کی۔

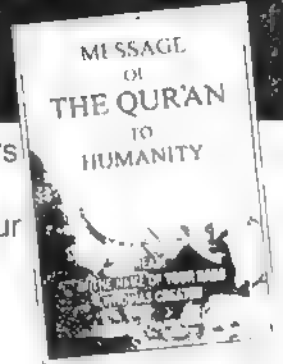
تک اہل یورپ کی نظر نہیں گئی تھی۔ اپنی شہرہ آفاق تصنیف "اصول اقلیدس" میں طوسی نے خطوط متوازی کے مصادر Parallel Postulate کا نظریہ پیش کیا جس پر پانچ صدیوں تک یورپ کے ریاضی دان بحث کرتے رہے۔

مصنفات:

محقق نے اخلاق نامہ اور اصول اقلیدس کے علاوہ چینی پار "علم المثلثات الکروریہ" کو مستقل حیثیت دی اور اس طرح ایک کتاب "شکل القطاع" لکھی جس کے ذریعے Trigonometry کی بنیادیں استوار ہوئیں جو جدید ریاضی کے نصف سے زیادہ حصہ کا حاطہ کئے ہوئے ہے۔

MESSAGE OF THE QUR'AN TO HUMANITY by S.S.U. TABREZ

- A present to your brothers in humanity
- Highly informative for your teenage children.
- A good addition to your personal library.



Price Rs 200/- (in India).

\$ 5 (outside Ind.a)-including postal charges

For single copy order or bulk purchase enquiry

Contact

SKY GROUP

167/7 Sarai Julena, New Delhi-110025

Ph 009-11 26914598 26823063 E mail skyad@vsnl.net



مسلمان اور فن

تہذیبی ورثوں کے میل ملاپ کا نتیجہ ہے۔ ان میں سر فہرست یونانی تہذیب تھی۔ جس کے اندر بوزنطی سلطنت کے جنوبی حصے تھے۔ دوسری ایرانی تہذیب کی میراث ہے جو ایران کے سامانی دور کی یادگار تھی۔ بعد میں ایران میں مغلیہ مملکت سے آمدہ چینی آرٹسٹیں نقش و نگار نے قبولیت پائی۔ بوزنطی کتب نگار کے استادوں کی پیروی کرتے ہوئے استانبول میں بہت سی شاہی مساجد تعمیر ہوئیں۔

اسلامی آرٹ کو آرائش کاروں اور تزئین کاروں کا فن کہنا عین مناسب ہوگا۔ یہ نقش بر بیرونی سطح کو رنگ تصویروں سے مزین کرتے تھے۔ ان نقاشوں کی کاری گری اور مہارت فنِ مہبت کاری اور اچھی نقاشوں کے ایسے نمونوں میں نظر آتی ہے جن میں روشنی اور سائے کا تاثر بھی ملتا ہے۔ اور یہ اوقات رنگوں کی لطیف آمیزش بھی۔ اس ہنرمندی اور کاریگری کے مظاہر محبت، مساجد، مقابر، مدارس، اور قلعہ عامہ کی دوسری عمارتیں تھیں۔ ان کے علاوہ وائرورکس، چٹنے، حمام، مال گودام، مسقف بازار، منہر بنائیں اور قلعے مسلمانوں کے اعلیٰ ذوق تعمیر کی یادگار ہیں۔

اسلامی فن کے مختلف ادوار اور ان کی خصوصیات حسب ذیل ہیں:

(1) خلافت راشدہ: چونکہ علماء تمام قدیم عمارات اور ان کے سامان آرائش کی، دمشق، فسطاط اور قیروان وغیرہ میں کچھ عرصہ کے بعد تجدید ہو گئی تھی اس لیے اس عہد کا فن واضح نہیں ہے۔ اموی فن: سنگی عمارات، ستون پر گول محرابیں، چھتیں، لداؤ کے والان، دیواری تزئین اور چٹکی کاری، شامی طرز کی گچ کا ابھرواں

فن (جمع فنون) ہنر، آرٹ، صنعت، طریقہ، ہنر و علم کا کوئی شعبہ، کوئی شاخ، کتاب کا کوئی حصہ (باب، فصل وغیرہ)، بطور تنزل حیلہ، مکر، نیز تقفن، یعنی دل لگی اور خوش طبعی وغیرہ، فارسی کی بعض قدیم کتابوں میں لفظ فن جدید معنوں (آرٹ) میں بھی استعمال ہوا ہے اور ہنر اور فن کے الفاظ عمارت گری، نقاشی، تہذیب اور مصوری وغیرہ کے لیے استعمال ہوئے ہیں۔

مسلمانوں کے ہاں فن کا مقصود و مطلوب محض حفظ نفس اور سرمت نہیں بلکہ تعمیر ہے۔ جس کا دوسرا نام عبادت یا اخشاف یا اوصاف اللہ ہے۔ یہ فن عمل خیر پر ابھرتا ہے اور قرب و اتصال روحانی کا وسیلہ بنتا ہے۔ اسلام کی رُوح حسن میں خیر، حسنِ کل (کمال تکمیل حیات) اور جلال (قدرت خیر) تینوں موجود ہیں۔

اسلامی آرٹ کی مختلف شاخیں درج ذیل ہیں:

- (1) صنعت گری: مثلاً فنِ تعمیر، عمارات بنانے، نغار (کوزہ گری)، چٹکی کاری (فسفسا)، قالی (قالین سازی)، خط خوش نویسی، قدش پارچہ بانی، دھات کا کام اور مصوری وغیرہ۔
- (2) فنی سامان: عاج (ہاتھی دانت کا کام)، بلور، جس (پلستر) خزف (گلی ظرف)، عرق اللؤلؤ (سیپ)، لباس وغیرہ۔
- (3) عمارات سے متعلق اشیاء کی اقسام اور فنی خصوصیات: مثلاً باب (دروازہ)، باولی، برج، بستان (باغ)، حمام، حصن (قلعہ)، قطرہ (پل)، مقبرہ، مینار، مسجد، سبیل وغیرہ، عمود (ستون) عربی نقش و نگار، ایوان، مقرنس وغیرہ۔
- (4) موسیقی اور آلات طرب وغیرہ: اسلامی آرٹ بہت سے



ذائقہ

کام، جس کی مثالیں دمشق، بیت المقدس، مدینہ منورہ، بصرہ اور بعلبک کی مساجد اور صحرائے شام کے محلات میں ملتی ہیں۔

عباسی فن (750ء تا 1258ء) کی خصوصیات: عمارتیں جن کی دیواریں بھاری بھر کم، چوکور ٹیل پائے، جن کے گوشوں پر پتلے پتے ستون، ٹیکلی حرا ہیں، لداؤ چکر دار بینر، ردی سامانی نقشہ کے محلات، آرائش کے لئے کنڈکی استکاری، دیواری تزئین اور مربع کٹی جو بوزنطی اور سامانی روایت سے ظہور پذیر ہوئی۔

مغربی اسوی اور اندلسی فن: اس کی ممتاز ترین خصوصیات یہ ہیں۔ نعل نما محراب، بلالی کمان، پتے پتے ستونوں پر مہنجان محرابوں پر گنبد یا مقرنس چھتوں اور دیواروں پر طفرائی نقش و نگار یا کلکی میں ترشے ہوئے نقوش اور چٹکی کاری وغیرہ۔

اہم ترین یادگاریں: اندلس میں قرطبہ کی جامع کبیر، مدینہ الزہراء اور الازہر کے محلات کے کھنڈر، زمانہ مابعد کے اہم ترین مراکز فن قیروان، تونس، تلمسان، مراکش اور تازہ وغیرہ۔

فاطمی فن (مصر اور شام میں 953ء تا 1171ء) اہم خصوصیات: ستونوں پر اونچی ٹاٹ کی کمانیں، ابتدائی طرز کی مقرنس تزئین اور مجرب جالیاں۔

بڑی یادگاریں: قاہرہ میں قلعہ کے برج دہرموں کے حصے، اور جوامع الازہر اور الحاکم وغیرہ۔

ایوبی اور مملوک فن (مصر و شام میں 1171ء تا 1516ء): اس دور کی عمارتوں میں مختلف رنگوں کے پتھروں کا جوڑ، سنگ مرمر میں چٹکی کاری، مدور اور بند حلقے جو سرگوشہ محرابوں پر ختم ہوتے ہیں اور ابھرے ہوئے طلائی نقش و نگار دکھائی دیتے ہیں۔ اس کے مظاہر قاہرہ اور دمشق میں بڑی تعداد میں مساجد، مدارس، محلات اور مقبرے ہیں۔

سامانی روایت کا احیاء: اس دور کا احیاء آل بویہ، سامانیوں، غزنویوں وغیرہ کے عہد میں ایران ترکستان اور عراق میں ہوا۔

مقبروں کے مینار مخروطی اور کروی اور پہلکی گنبد اور محرابیں اس کی پہچان ہیں۔ اس کی اہم یادگاریں بخارا، خوارزم، نیشاپور، اصفہان، یزد اور غزنہ وغیرہ میں پائی جاتی ہیں۔

سلجوقی فن (ایران، عراق، شام اور ایشیائے کوچک میں 1038ء سے 1186ء تک، 1064ء تا 1302ء): اس فن کی امتیازی خصوصیات چار ایوانوں کی مسجدیں، بڑے بڑے گنبد (ذرا گاؤم استوانی) مینار، ہشتی اور گل رنگین چروکوں کی چٹکی کاری، ابھرواں تصاویر، چیلنے روغن کے برتن، گلی ظرف اور جزاؤ کا نسی کے کام، اعلیٰ درجے کے تصویریں مناظر ہیں۔

بڑی یادگاریں: بغداد میں موصل، دیار بکر، اصفہان، مرو اور خوارزم میں نیز بہت سے مقبروں کے گنبد اور گورستانی میناروں کی خاصی بڑی تعداد توبہ اور سیواس وغیرہ میں پائی جاتی ہے۔

مغل اور تیموری فن: نوکدار اور ہلکے نما گنبد، بلند حوالے اور پٹے کی ڈانوں پر کاشی کے چوکوں کی چٹکی کاری کا کمال جس کے فنی نمونے اصفہان، سرقد، بخارا، ہرات، بلخ اور تہریز وغیرہ میں نظر آتے ہیں۔ صفوی اور ازبک فن: چوکوں کے چٹکی کاری کی جگہ منقش چوکے، جس سے تصویریں اور فطرت پسندانہ گل کاری کے نمونے بنائے گئے ہیں۔ یہ قزوین، اصفہان، مشهد، اور بخارا کی عمدہ عمارتوں میں نمایاں ہیں۔

ہندی مسلمانوں کا فن (1296ء تا ابتدائے انیسویں صدی):

ابتداء میں اس کی اساس غزنوی و غوری اور پھر سلجوقی اسلوب پر قائم ہوئی۔ اس کے علاوہ ہندو فن تعمیر کی جزئیات (ستونوں، دیوار گیریاں، چیمبے اور منڈیروں والی چھتیں) داخل ہوتی ہیں۔ بیشتر یادگاریں دہلی آگرے میں تعمیر ہوئیں لیکن بعد ازاں جونپور، مانڈو، احمد آباد، گلبرگہ، اور گور میں تعمیر ہوئیں۔ ہندی مسلمانوں کے فن میں مسجد کے دالانوں اور محرابوں میں سنگ مرمر کا بکثرت استعمال شامل ہے۔ مغلیہ عہد میں فن کے شاہی اسلوب نے نشوونما پائی جو کہ صفوی، ایرانی، بنگالی اور دکنی عناصر سے مرکب تھا۔



ذائقہ

جڑاؤ کام، جلد سازی، چمڑے کے کام، پارچہ بانی، اور شیشہ سازی کو عملاً مصر اور شام کی دستکاری کی ہی شاخ کہا جاتا ہے۔ چودھویں اور پندرہویں صدی عیسوی کے شروع میں حضرت مریم اور مسیحی بزرگان دین کی تصاویر میں ان کے لباسوں میں جا بجا قرآن مجید کی آیتیں تحریر ہوتی تھیں۔

جب ترکوں نے وینس کی نوآبادیات بلقان، ہنگری، روس، پولینڈ اور آسٹریا کے بعض علاقوں کو فتح کر لیا تو اسلامی آرٹ ان ممالک میں بھی نفوذ کر گیا۔ وہاں عثمانیوں کے طبعوسات اور زیورات لوگوں نے اختیار کر لیے۔ فرانس کے سپاہیوں نے موروں (عربوں) کی وضع قطع کا لباس پہننا شروع کر دیا۔ شامی اور یونانی خواتین کشمیری شالیں پسند کرنے لگیں۔

مسلمانوں کے فن نے یورپی فن کے تین پہلوؤں پر اپنا مستقل اثر چھوڑا: (1) حسی فن تعمیر (2) آرائش کے طور پر اینٹوں کا استعمال اور (3) کوزہ گری، ان کی اشکال، نمونے اور ساتھ ہی ان کے رنگ و روغن بھی۔

مسلمانوں کے فن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل فنون بالخصوص قابل ذکر ہیں:

- (1) شعر و شاعری (2) موسیقی (3) مصوری (4) تعمیر
- (5) خطاطی (6) تجلیہ (7) تزیین (8) تکلیف (9) نگار (کوزہ گری)
- (10) فلز کاری (11) پارچہ بانی (12) قالین سازی (13) طراز
- (14) متفرقات نگرانی کی کندہ کاری، سنگ تراشی و گج کاری، ہاتھی دانت اور ہڈی کے کام، شیشے اور بلور کے ظروف اور مسکوکات وغیرہ۔ ان کی تفصیل حسب ذیل ہے:

(1) فن شعر و شاعری:

عام مفہوم میں کلام منظوم، جس میں قافیہ اور وزن بھی ہوتا ہے۔ شعر اچھا بھی ہوتا ہے اور برا بھی۔ علمائے اسلام نے قرآن مجید ہی کی آیات اور متعلقہ احادیث کی مدد سے شاعری کے

مسلمانوں کے فن کا اثر دوسری تہذیبوں کے حوالے سے:

مسلمانوں کے فن نے اپنی مسایہ تہذیبوں اور ممالک کے فنون پر گہرا اثر ڈالا۔ مسلمانوں کے فن کی اشکال (خاص طور پر محراب، لداؤ اور گنبد) ہندو مذہبی فن کے ہر پہلو پر نفوذ کر گئیں۔ ہندو محلات کے نچلے ڈھانچے اور چوٹی پر گنبد تو مسلمانوں کے سے ہوتے تھے، مگر اوپر جھروکے، گلیاں، سرویس اور دیواری تصاویر وغیرہ ہندوئی وضع کی ہوتی تھیں۔ کہیں کہیں مندروں میں بھی اسلامی فن کی جھلکیاں نظر آتی ہیں۔ وجے نگر (جنوبی دکن) کے شاہی محلات بہمنی اسلوب میں تعمیر کیے گئے۔ مغلیہ دور حکومت میں مخلوط ہندو مسلم طرز تعمیر مختلف راجپوتی درباروں میں اختیار کیا گیا، پھر شاہ جہاں، اورنگ زیب کا سنگ مرمر والا شاہی اسلوب جہا، منڈی، بیکنیر، بے پور، اودے پور، گوالیار، اجین، تاملور، حتیٰ کہ تمپور اور منڈوانک پہنچ گیا۔

یورپ: مسلمانوں کے فن کا سب سے اہم دائرہ عمل یورپ تھا۔ اس میں سب سے زیادہ اسپین نے اسلامی فن کے اثرات کو قبول کیا۔ وہاں عربیت کے دلدادہ عیسائی اگرچہ یورپی نقشے پر گرجے بناتے تھے، مگر ان میں مسلمانوں کے سے نقش و نگار اور عربی کتبائے ہوتے تھے، سکوتی مکان اور یہودی معبد بھی اسی طرز تعمیر کے مطابق بنائے جاتے تھے۔ اس اسلوب تعمیر کی خوشنما چھتیس اور ہندی اشکال سولہویں صدی عیسوی میں بھی مدت تک لاطینی امریکہ تک میں مقبول رہیں۔

مغلیہ اور جنوبی اٹلی میں محلات فاطمی طرز پر بنائے جانے لگے۔ ایک زمانے میں مغلیہ کے ہاتھی دانت کے صندوق تمام یورپ میں پھیل گئے۔ صلیبی جنگوں کی بدولت یورپ کا مسلمانوں سے تعلق قائم ہوا تو ان کی بدولت یورپ مسلمانوں کی نوکدار محراب اور گنبد کی تعمیر سے آشنا ہوا۔ اٹلی میں وینس (Venice) اسلامی اثرات کا مرکز بن گیا۔ وینس کے محلات شام کے ہلانی (Hulani) مکانات کی طرز پر بنائے گئے۔ وینس کے دھات کے



ذائقہ

مسلمانوں کے شعری سرمائے میں غزل نہایت دلکش اور منفرد صنف ہے۔ اسے فارسی شاعری کا عطیہ سمجھنا چاہئے۔ غزل کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ ایک ایک شعر اپنی ذات میں مکمل معنی کا حامل ہوتا ہے، آسانی سے جذب ہو سکتا ہے، آسانی سے متاثر کرتا ہے اور بآسانی یاد ہو جاتا ہے۔ غزل میں محبت کے حادہ سیاسی و سماجی ماحول کے اشارے، دانش زندگی اور آداب و اخلاق کے اسباب اور حیات و کائنات کے بہت سے حقائق، محبت کے مضامین کے ساتھ ساتھ آتے ہیں۔

(2) موسیقی:

کہا جاتا ہے کہ موسیقی یونانی زبان کا لفظ ہے اور نفوس کے مرتب کو موسیقو یا موسیقار کہتے ہیں۔ عربوں نے اسے علم الموسیقی کا نام دیا۔ اسلام کی آمد سے قبل عرب میں موسیقی متعارف ہو چکی تھی۔ کتابوں میں عود اور طنبور کا ذکر ملتا ہے۔ تیسری صدی ہجری رنویں صدی عیسوی کے وسط تک یونانی تحریروں کا ترجمہ عربی میں کیا گیا۔ لکنڈی پہلا شخص تھا جس نے قدماء کے دستیاب شدہ ذخائر سے فائدہ اٹھایا۔ اس کے بعد الفارابی نے کتاب موسیقی الکبیر لکھی وہ خود بھی موسیقار تھا۔ اس نے آلات موسیقی کا شرح و ربط سے ذکر کیا ہے۔ الفارابی نے طنبور الخراسانی کی چٹک (سپتک) بھی قلم بند کی ہے۔ جس کا آغاز ”مالا لہا“ سے ہوتا ہے۔ رباب کی چٹک میں اس نے ایسی چٹک کا ذکر کیا ہے، جس میں صغیر سوم اور کبیر سوم پوری محنت کے ساتھ حاصل ہوتا ہے۔

زمانہ مابعد کے مصنفین میں ابن سینا (م 428ھ / 1037ء) اور ابن زیلہ (م 440ھ / 1048ء) قابل ذکر ہیں۔ اس نے 90 صدوں پر مشتمل داستان کی اشکال کے بجائے 114 صدوں پر ایک داستان مرتب کیا۔ ابن زیلہ، ابن سینا کا شاگرد تھا۔ اس کے یہاں بعض نئی تفصیلات بھی آتی ہیں۔ زمانہ مابعد میں علم موسیقی سے دلچسپی رکھنے والے مصنفوں میں ابن ابیثم (م 430ھ / 1039ء)،

لیے ایک اہم مقام تجویز کیا ہے۔ قرآن میں جن شعراء کی مذمت آئی ہے وہ سب مشرک تھے۔ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بجا اور اسلام کی مخالفت کرتے تھے۔ لیکن مسلم شعراء میں حضرت حسان بن ثابتؓ، حضرت کعب بن مالک اور حضرت عبداللہ بن رواحہ بھی تھے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح اور اسلام کا دفاع کیا کرتے تھے۔ مسلم فضلاء نے شاعری کو ایک ایسی صنف قرار دیا ہے جس کے ذریعہ شاعر اپنے خیالات و تصورات کو مرتب کر کے موزوں و مقفیٰ الفاظ کا جامہ پہنا دیتا ہے۔ اس طرح وہ قاری اور مخاطب کی قوت غنئی و شہوانی کو متحرک کر کے طباق میں انقباض یا انبساط پیدا کر دیتا ہے۔ اسلامی ادبیات میں شاعری کی دو قسمیں مروج رہی ہیں۔ ایک وہ جو دلی جذبات کی تحریک سے ابھر کر بے تکلف اسلوب اختیار کر لیتی ہے۔ اور دوسری وہ جو کسی خارجی مقصد سے شعوری طور پر بے تکلف اسلوب بیان میں ادب و تہی ہے اور اس سے شاعری کا مقصد اظہار کمال کے سوا کچھ نہیں ہوتا۔ اس کا موضوع امیروں، وزیروں اور دوسرے صاحبان اقتدار کی مدح سرائی ہی ہوتا ہے۔ اول الذکر شاعری میں صوتی شعراء شامل ہیں جن کی غزلیات مثنویات اور رباعیات اخلاقی اور روحانی معارف کا مخزن ہیں۔ ان میں سے بعض کو دنیا کے ادب عالیہ میں شمار کیا جاسکتا ہے، مثلاً سعدی، حافظ، اور رودکی کا کلام۔

تبع اور قافیہ مسلمانوں کی شاعری کے دو بنیادی عنصر ہیں۔ ان کا عمدہ اظہار قصیدہ اور غزل ہوتا ہے۔ قصیدے کا فن عربی شاعری سے فارسی، ترکی اور اردو میں منتقل ہوا۔ اگرچہ اس میں مخاطب کے اوصاف خیالی ہوتے ہیں اور اس میں محدود کی مدلل مداحی ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود اس میں منظر قدرت و مظاہر فطرت کی تصویریں، مکالمات، نظمیں اور نفسیاتی قطعات کے ایسے شاہکار ظہور میں آئے جن سے اس فن کے ذخیرہ میں بہت اضافہ ہوا۔



عربوں کی موسیقی:

عرب مورخین اس بات پر متفق ہیں کہ اسلامی زمانے میں سب سے پہلا مرد مفتی طوالیس (م 88ھ / 705ء) تھا جو ایرانی طرز پر گایا کرتا تھا۔ اس کے معاصر صاحبِ خاطر (م 65ھ / 683ء) نے پہلے قصب اور پھر عود پر گانا شروع کیا۔ بنو امیہ کے دور میں مفتیوں کی سرکاری سرپرستی ہونے لگی۔ ان میں بعض خلفاء بھی اعلیٰ درجے کے موسیقار تھے۔ اس زمانے کے سب سے بڑے موسیقار ابنِ سرتاج (م 108ھ / 726ء) اور معبد (م 125ھ / 743ء) تھے ابنِ سرتاج گانے کے ساتھ ایرانی بائسری بھی استعمال کرتا تھا۔ معبد کے دو قسم کے گانے، یعنی حصون معبد اور معبدات بہت مقبول ہوئے۔ مختلف اصوات کی نغمہ نوازی کے لیے عام طور پر عود، ڈھولک اور دف قصب بھی استعمال ہوتے تھے۔ بنو عباس کے دورِ حکومت میں پایہ تخت کوفہ اور بعد ازاں بغداد منتقل ہوا۔ اس زمانے میں علم و فن نے ہر میدان میں ترقی کی۔ بہت سی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں منتقل ہوئیں۔ ابراہیم المولیٰ (م 188ھ / 804ء) ہارون الرشید کے دربار کا مقبول ترین مفتی تھا۔ اس نے ابنِ جامع (م 187ھ / 803ء) کی معیت میں ایک سو سروسوں کا انتخاب کیا اور اسی انتخاب کی بناء پر ابوالفرج الاصفہانی نے اپنی لافانی کتاب ”اللاغانی“ مرتب کی۔ اسحاق الموصلی نے قدیم عربی موسیقی کے اسالیب کو از سر نو مرتب کیا۔ چوتھی صدی ہجری ردسویں صدی عیسوی میں عباسی خلافت پر آل بویہ چھا گئے۔ یہ تمدنی اعتبار سے ایرانی تھے اور موسیقی کے بڑے سرپرست تھے۔ بویہی امراء کے بعد ترکمان سلاطین خلافت کے معاملات پر حاوی ہو گئے۔ یہ سلاطین موسیقی کے شائق تھے۔ اس کے بعد جو اتابک ملک میں برسرِ اقتدار آئے، انھوں نے بھی ایسے علماء کی سرپرستی کی جنھیں موسیقی سے دلچسپی

فخر الدین رازی (م 606ھ / 1209ء) اور نصیر الدین طوسی (م 636ھ / 1274ء) جیسے لوگوں کے نام آتے ہیں۔ اندلس میں اب باجہ (م 533ء) اور ابنِ رشد (م 594ھ / 1198ء) جیسے مشاہیر فن نظر آتے ہیں۔

سقوطِ بغداد کے بعد ثقافت کا مرکز ثقل مشرق میں منتقل ہو گیا۔ فارسی میں لکھنے والے مصنفوں میں قطب الدین رازی (م 710ھ / 1310ء) نے علم موسیقی پر ایک بہترین کتاب درۃ التاج لکھی۔ محمود آملی (آٹھویں صدی ہجری) چودھویں صدی عیسوی کی تصنیف نفائس الفنون اور عبدالقادر الغنی (م 839ھ / 1438ء) کی جامع الاغان بھی علم موسیقی سے بحث کرتی ہیں۔

مغرب اور اندلس میں اسحق الموصلی کا قدیم نظریہ موسیقی، جسے مشہور ماہر موسیقی زریاب نے پہنچایا تھا، تیسری سے نویں صدی ہجری تک معیاری تصور ہوتا تھا۔ سقوطِ غرناطہ کے بعد اندلس کے مہاجر اپنا نظریہ موسیقی اپنے ساتھ المغرب (شمالی افریقہ) لے گئے۔ مراکش میں عبدالرحمن الفاسی (م 1098ھ / 1785ء) نے موسیقی پر ایک قابلِ قدر کتاب کتب المجموع فی علم الموسیقی و الطبوع لکھی۔

عربوں کی موسیقی (ابتدائی ادوار میں):

تاریخِ ادب کے مورخوں نے لکھا ہے کہ حجاز قدیم فن موسیقی کا گہوارہ تھا اور موسیقی بڑی عمر کے گانے والیوں (مغنیہ) اور نوجوان پیشہ ور گانے تاپنے والی لڑکیوں (قیہ) کے ہاتھوں میں تھی، جو نہ صرف تہواروں اور خوشی کی تقریبات میں، بلکہ میدانِ جنگ میں بھی گایا کرتی تھیں۔ ان کے آلات موسیقی میں بربط اور مربع شکل کے طبو ہوتے تھے۔ ان میں دف کے علاوہ قصب (کمان) بھی ہوتی تھی۔ با قبلِ اسلام کے گانوں میں ایک خاص گانا تدوری تھا، جو لمبی تان کے سروں میں قمر کی آواز سے گایا جاتا تھا۔ قدیم ترین طرز کے گیتوں میں سے ایک گیت خدا کا گیت تھا جو شتر بان گایا کرتے تھے۔



ذائقہ

تھی۔ عباسی دور میں عربی موسیقی پر ایرانی موسیقی کے اثرات عروج پر پہنچ گئے۔ اب ادوار کی تعداد اٹھارہ تک پہنچ گئی۔ یہ ادوار بارہ مقامات اور اچھے آوازوں پر مشتمل تھے۔ جن کے نام زیادہ تر فارسی تھے۔ لیکن 685ھ / 1258ء میں ہلاکو نے بغداد پر قبضہ کر کے تمام ثقافتی اداروں کو تباہ و برباد کر دیا۔

شامی موسیقی:

جب اسلام کا دور دورہ ہوا تو شامی کلیساؤں میں دعائیں بھی عربی زبان میں پڑھی جانے لگیں۔ خلفائے بنی امیہ جو بدوؤں کے سیدھے سادے آلات، یعنی ظنبورہ اور دف کے ماحول میں پلے تھے۔ اب ایک نئے قسم کے راگ، یعنی عسائی بریڈ، عراقی عود اور ایرانی ظنبورہ سے آشنا ہوئے اس زمانے میں بہت سے علماء نے علم موسیقی پر کتابیں لکھیں۔ شام کے حکمرانوں میں حمدانی حکمران علوم و فنون کے بڑے سرپرست تھے۔ اس خاندان کا گل سرسبد سیف الدولہ تھا، اس نے ابو الفرج الاصفہانی، مصنف کتاب الاغانی الکبیر اور المسعودی (م 364ھ / 957ء) کی بھی سرپرستی کی۔ صلیبی جنگوں کے خاتمے کے بعد چھٹی صدی ہجری / سولھویں صدی عیسوی تک شام پر مصر کے ایوبی سلاطین اور ان کے بعد ملکک بلاشاہوں کی حکومت رہی۔ شامی سلاطین نے فن تعمیر اور صنعتی فنون وغیرہ کی ترقی میں حصہ لینے کے علاوہ موسیقی کی بھی خدمت کی۔

924ھ / 1516ء میں عثمانی ترکوں نے شام کو اپنی سلطنت میں شامل کر لیا، جس کے بعد ملک کی موسیقی ترکی قالب میں ڈھل گئی۔ عثمانی دور میں یحیٰ بن بزرجمیں مشاہد (م 1307ھ / 1888ء) نے رسالہ الشہابیہ فی الصنعة الموسیقیہ لکھی۔ اس کتاب میں شام کے بچانوفے راگ راگنیوں کا ذکر ہے۔

المغرب کی موسیقی:

المغرب میں طرابلس سے لے کر مراکش تک کے ممالک شامل ہیں۔ عربوں نے اپنے نامور سپہ سالار موسیٰ بن نصیر کے

ماتحت 89ھ / 708ء میں المغرب فتح کرنا شروع کیا۔ اموی عالموں کے عہد میں طرابلس، مہدیہ، تونس، فاس اور الجزائر گانے اور ساز بجانے والوں کے مرکز بن گئے تھے۔ قیروان میں زیاد اللہ کے دربار میں معروف مغنی زریاب کی 206ھ / 821ء میں پذیرائی ہوئی اور اسی زمانے میں المغرب کو پہلی مرتبہ بغداد کی موسیقی سے محفوظ ہونے کا موقع ملا۔

اندلسی موسیقی نے اپنے عروج کے زمانے میں بقول ابن خلدون المغرب پر اپنا گہرا اثر ڈالا، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ المغرب نے اندلس سے آلات موسیقی مثلاً گٹار اور ظنبورہ وغیرہ درآمد کیے۔ اندلس سے عربوں کے اخراج کے بعد جب یہ مہاجرین المغرب میں آباد ہوئے تو وہ موسیقی کو اس سطح پر لے آئے جس پر یہ اندلس میں تھی۔ جب ترک المغرب کے مشرقی حصے پر قابض ہو گئے تو ترکی موسیقی بھی المغرب کی موسیقی پر اثر انداز ہونے لگی۔ عام طور پر استعمال ہونے والے آلات عود اور دو تارہ رباب تھے۔

مصری موسیقی:

مصر شروع سے تہذیب و تمدن کا مرکز رہا ہے۔ اسلامی فتح سے پہلے مصر میں گانے بجانے کا عام رواج تھا۔ اس زمانے میں بانسری، القنون اور مختلف قسم کے ڈھول اور نقارے بھی رائج تھے۔ جب اسلامی عساکر نے 20ھ / 641ء میں مصر فتح کر لیا تو وہاں کے عامل بھی دمشق اور بغداد کے خلفاء کی طرح خود بھی موسیقی کے دلدادہ بن گئے۔ جس کی اساس حجاز کی عملی موسیقی پر قائم تھی۔ لولوی اور اشیدی حکمرانوں کے زمانے میں ہر طرف موسیقی کا چرچا ہوا۔ فاطمی خلفاء بھی موسیقی کے شائق اور قدر والے تھے۔ آلات موسیقی میں عود، ظنبورہ، چنگ، قانون، بزمہ، تابی اور تار بھی ایرانی رباب کی طرح اس زمانے میں اپنے عروج کمال پر تھے۔ النادون مشہور ماہرین موسیقی ابن الہیثم (م 430ھ / 1039ء) اور اسحقی (م 420ھ / 1030ء) زندہ تھے۔



ذائقہ

غریب جیسے آلات موسیقی کا ذکر کرتا ہے۔

عثمانی ترکوں کے تسلط کے زمانے میں بھی مصر کا نظم و نسق مملوک حکام کے ہاتھ رہا۔ اگرچہ اس زمانے میں موسیقی پر قدامت پسندی کا غلبہ رہا لیکن پاشاؤں کے محلات میں اناطولی اور روم ایللی کی موسیقی زیادہ مقبول ہو گئی۔ مصر کے پہلے خدیو عمر علی پاشا کے عہد (1220ھ / 1805ء تا 1264ھ / 1848ء) میں مصری تمدن پر یورپی اثرات کا فرما ہونے لگے۔ اس کے نتیجے میں موسیقی کے مدارس فرانسیسی اور جرمن استادوں کی نگرانی میں کھولے گئے۔ خدیوی عہد میں موجود موسیقاروں کے خاندانوں کے بہت سے بانی پیدا ہوئے اور مغربی فن موسیقی میں مصری فن کا پوند لگایا گیا۔

ایوبی سلاطین کے عہد (567ھ / 1171ء) میں ابن سناء الملک نے گیتوں کا ایک مجموعہ دار الطراز کے نام سے لکھا تھا۔ مملوک سلاطین (684ھ / 1250ء تا 922ھ / 1517ء) اپنی قوی موسیقی کے شائق تھے۔ ان کے عہد میں پرانی قسم کی موسیقی اور ترکی کی موسیقی کے اختلاط کی وجہ سے مصری موسیقی ترقی پذیر ہوئی۔ اسی زمانے میں فوجی بینڈ خاص طور پر پسند کیا جانے لگا۔

صیسی جنگوں میں فرنگیوں نے نہ صرف عربوں کے آلات موسیقی اپنالے، بلکہ ان کے بعض گانے بھی اختیار کر لیے۔ اگرچہ امام ابن تیمیہ سماع اور رقص کے مخالف تھے، لیکن اس زمانے کے بعض متصرفین موسیقی کے روحانی فوائد کے قائل تھے۔ ان کا خیال تھا کہ سماع سے اللہ تعالیٰ کے جمال حقیقی کو دیکھنے کا ذوق و شوق پیدا ہوتا ہے۔ مملوک عہد میں لکھی جانے والی کتابوں میں عود، چنگ، عجمی، چنگ مصری، صغیر، باب، کمانچہ، شبانہ، دف اور

Royal Taste of India MAHARAJA

PREMIUM BASMATI RICE
(A FAMOUS NAME IN INDIA & ABROAD)

SAMS GRAINS (INDIA) PVT. LTD.
SANA INTERNATIONAL PVT. LTD.

HEAD OFFICE : A-6 (LGF), DEFENCE COLONY,
NEW DELHI-110024
TEL : 2433-2124, 2132, 5104
FAX : 0091-11-2433-2077
E-Mail : sana@del3.vsnl.net.in
Web Site : www.samsgrain.com
BRANCH OFFICE : TEL. : 2353-8393, 2363-8393
PRESENTED BY : SYED MANSOOR JAFRI



ذائقہ

بن نہیں (م 838ھ / 1435ء) نے بڑا نام پیدا کیا۔ وہ اسلامی دنیا کا بہت بڑا موسیقار بنا چکا تھا۔ اور اپنے فن کی بدولت تیمور کے قہر و غضب سے بچ گیا تھا۔

عراق میں ایرانی اور تورانی موسیقی کے میل ملاپ سے بہت سے نئے اور طرح طرح کے گانے وضع ہوئے۔ ان میں زجل، موال اور کان کان، عراقی عوام کے دل پسند گانے تھے۔ دسویں اور گیارہویں صدی ہجری میں عراق پہلے ایران اور بعد میں ترکوں نے فتح کر لیا اور 1918ء تک عراق ترکوں کے زیر نگیں رہا۔ اس وقت سے عراقی موسیقی ترکی کی طرز پر آگئی اور یہ ناچ گانے کی محفلوں میں آج تک رائج ہے۔ (باقی آئندہ)

عراقی موسیقی:

سقوط بغداد (656ھ / 1258ء) کے بعد عربی موسیقی کا کلاسیکی دور ختم ہو گیا۔ لیکن جوینی خاندان کی سرپرستی میں دوبارہ اس فن کو عراق میں ترقی حاصل ہوئی۔ اس زمانے میں ایرانی طرز کی موسیقی رائج تھی۔ جس میں تورانی رنگ بھی شامل ہو گیا تھا۔ اب ”مکمل سرگم“ کی جگہ آٹھ سری سرگم نے لی لی تھی۔ جسے اس زمانے میں برسر اقتدار تورانی اور مغل زیادہ پسند کرتے تھے۔ بعض نامور موسیقاروں نے عربی (غربی) اور مغل (شرقی) کو ملا کر ایک کر دیا۔ نویں صدی ہجری میں ایک موسیقار عبدالقادر

اسلامک فاؤنڈیشن برائے سائنس و ماحولیات کی ایک سنگ میل پیش کش قرآن مسلمان اور سائنس ڈاکٹر محمد اسلم پرویزی کی یہ تازہ تصنیف:

- ☆ علم کے مفہوم کی مکمل وضاحت کرتی ہے۔
- ☆ علم اور قرآن کے باہمی رشتے کو اجاگر کرتی ہے۔
- ☆ ثابت کرتی ہے کہ مسلمانوں کے زوال کی وجہ علم سے دوری ہے نیز حصول علم دین کا حصہ ہے۔ بقول علامہ سلمان ندوی ”علم کے بغیر اسلام نہیں اور اسلام کے بغیر علم نہیں“ (کتاب مذکورہ صفحہ 29)



قیمت = 60 روپے۔ رقم پیشگی بھیجنے پر ادارہ ڈاک خرچ برداشت کرے گا۔

رقم بذریعہ منی آرڈر یا بینک ڈرافٹ بھیجیں۔ دہلی سے باہر کے چیک قبول نہیں کیے جائیں گے۔

ڈرافٹ ISLAMIC FOUNDATION FOR SCIENCE & ENVIRONMENT کے نام

665/12، آکرنگر، نئی دہلی 110025 کے پتے پر بھیجیں۔ زیادہ تعداد میں کتابیں منگوانے پر خصوصی رعایت ہے۔

تفصیل کے لیے خط لکھیں یا فون (31070-98115) پر رابطہ کریں۔



سائنس سب علوم میں ہے سب سے معتبر

تغیر کائنات پہ انسان کی ہے نظر
عزم سفر اگر ہو تو مشکل نہیں ہے کچھ
مرغ پر یہ ڈال رہا ہے کند اب
سائنس کی ہے آج ہر ایک شے پر دسترس
فکر و نظر کو ملتی ہے سائنس سے جلا
فطرت کے ہو رہے ہیں سبھی راز منکشف
بیکار کوئی شے نہیں کون و مکاں میں آج
ہے اقتضائے وقت کریں ہم بھی غور و خوض
جو غور و فکر کرتے ہیں اس سے ہیں باخبر
انسان کی رسائی ہے اب اویچ ماہ پر
ہو جائے گی کبھی نہ کبھی یہ مہم بھی سر
ہے مہر و ماہ سے بھی پرے اس کی رہگذر
سائنس سب علوم میں ہے سب سے معتبر
نوع بشر ہے کاشف اسرار بحر و بر
اب مستفید ہوگا وہی جو ہے دیدہ ور
کھل جائیں جس سے علم کے ہم پر بھی بام و در

احمد علی ہے آج ضرورت یہ وقت کی

سائنس کے فروغ میں اسلم ہے کارگر

**We Salute The Spirit of Okhla
For Making Us**

"The Best "

In The Neighbourhood

**A Non Profit Organisation
Under**

Vocational Education & Welfare Trust

**" AFFILIATED WITH NEHRU YUVA KENDRA
SOUTH DISTT. (MIN. OF YOUTH AFFAIRS, G.O.I.)**

EMPANELLED

With

Delhi Minorities Commission

Govt. Of NCT Of Delhi

We are

Okhla Women' s Polytechnic

F-33 Johri Farm Okhla New Delhi 110025

PH : 26933743, 55658672, 33082339 & 20530516



ذہنی سوچ سے کمپیوٹر روبوٹ کی حرکت

کے بازوؤں کو اپنے بازوؤں کو حرکت دے کر متحرک کر دیا۔ لیکن حالیہ تحقیقات میں خیالات کو کنٹرول کر کے اس کے ذریعے روبوٹ کی حرکت پیدا کرنا شامل ہے اور اس میں بندروں کی اپنی فزیکل حرکت کو بالکل بھی دخل نہیں ہے جب کہ دوسری طرف پیچیدہ عضلاتی حرکات شامل ہیں جن میں روبوٹ کا بازو حرکت کر کے کچھ پکڑ لیتا ہے۔

اس تحقیقی ٹیم کے سربراہ ڈیوک یونیورسٹی کے نوروانجیئرنگ مرکز کے کوڈائیریکٹر ڈاکٹر میگوئل اے۔ ایل۔ نیکولیس ہیں جب کہ کچھ دوسری تجربہ گاہوں نے بندروں کو ان کے خیالات کے ذریعے روبوٹ کو متحرک کرانے میں مدد کی ہے۔ ڈیوک یونیورسٹی کی تحقیقات اس اعتبار سے بہت اہم ہیں کہ ان کے ذریعے حیوانی دماغ اور روبوٹ میں ایک طرح کا دماغی امتزاج پیدا کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔

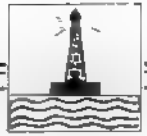
نفیسات کے پروفیسر ڈاکٹر جون کاس کے بموجب یہ طریقہ ایسے لوگوں کے لئے ایک پیش بہا تھے سے کم نہیں جو تقریباً مفلوج ہوں اور اپنے ہاتھوں پیروں کو حرکت دینے کی اہلیت نہ رکھتے ہوں۔ ان کا خیال ہے کہ ایک شخص اگر اس میں صرف سوچنے کی صلاحیت باقی ہو تو وہ کوئی بھی کام انجام دینے کے لئے کسی کمپیوٹر یا روبوٹ کو کنٹرول کر سکے گا۔ برڈکلین میں اسٹیٹ یونیورسٹی آف نیویارک کے میڈیکل سینٹر کے فزیولوجی اور فارمیولوجی کے پروفیسر جون چیپن کا کہنا ہے کہ بندر نہ صرف اپنے دماغ کی سرگرمی کے استعمال سے روبوٹ کو متحرک کر سکتے ہیں بلکہ وہ وقت کے ساتھ اپنی کارکردگی کو بہتر بھی بنا سکتے ہیں۔ بس اب تو یہ دیکھنا ہے کہ یہ حیران کن حقیقت آخر کب ظہور پذیر ہوتی ہے۔

ماہرین حیاتیات کا خیال ہے کہ فطرت میں ارتقائی عمل لگاتار جاری ہے اور انسانوں میں اس کا حقیقی محور دماغ ہے۔ حالیہ سائنسی پیش رفت سے یہ محسوس ہونے لگا ہے کہ بغیر ہاتھ پیر بلائے محض دماغی سوچ ہی سے انسان اپنے تخلیق کردہ روبوٹ کو متحرک کر سکے گا۔ اس اعتبار سے دیکھا جائے تو دماغ اور مشین کا اشتراک ترقی کی راہ میں چند قدم اور آگے بڑھ گیا ہے۔

مثالی کیرولینا کی ڈیوک یونیورسٹی میں تجربات کے دوران چند آلات کو بندر کے دماغ میں نصب کیا گیا جنہوں نے دماغ کے اشارات کو محصور کر کے روبوٹ کے بازو میں منتقل کر دیا جس کے زیر اثر روبوٹ کے بازو نے حرکت کی اور وہ کسی شے کو پکڑنے میں کامیاب ہو گیا۔ یہ عمل کمپیوٹر کے اسکرین پر دیکھا جاسکا۔ اس پورے عمل میں کسی بھی فزیکل حرکت کو دخل نہیں تھا بلکہ یہ حرکت بندر کی سوچ سے عمل میں آئی تھی۔

یہ اس سمت میں ایک اہم اقدام ہے جس پر ایک عرصے سے توجہ دی جا رہی تھی کہ دماغ کی سوچ کو کنٹرول کرنے والی مشینوں کا استعمال کیا جائے تاکہ مفلوج اور معذور لوگ صرف اپنے دماغ کا استعمال کر کے اپنی سوچ کو عملی جامہ پہنا سکیں اور اس کے لئے انھیں اپنے اُن اعضاء کو استعمال کرنا نہ پڑے جن پر اب ان کا قابو ہی نہیں رہا ہے۔

گزشتہ تجربات کے دوران انسانوں اور بندروں دونوں کے دماغوں کو تاری مدد سے پیوستہ سے منسلک کیا گیا اور پھر انھوں نے محض اپنے خیالات کی مدد سے کمپیوٹر اسکرین پر کر سر (Cursor) کو متحرک کر دیا۔ اس کے بعد تار سے منسلک بندروں نے روبوٹ



لوہا: مضبوط عنصر (قسط: 3)

مقناطیس (Electromagnet) کہا جاتا ہے۔

لوہے کی اس صلاح کے بروں میں بہت زیادہ مقناطیسیت ہوتی ہے جس کی وجہ سے یہ فولاد یا لوہے کے ٹکڑے کو یک دم اپنی طرف کھینچتی ہے۔ اس قسم کے ایک بڑے برقی مقناطیس کے ذریعہ ٹنوں لوہا یا فولاد اٹھایا جاسکتا ہے۔ کسی سمندری جہاز میں فولاد یا لوہے کے سکرپ کو لادنے کے لئے گرین کے ساتھ لگے ہوئے ایک برقی مقناطیس کو استعمال کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لئے برقی مقناطیس کو سکرپ کے قریب لاکر اس میں سے برقی رو گزاری جاتی ہے اور اس طرح سے ٹنوں سکرپ اوپر اٹھایا جاتا ہے۔ پھر اسے سمندری جہاز کے اوپر لے جا کر برقی رو بند کر دی جاتی ہے، جس کے نتیجے میں مقناطیس اثر ختم ہو جاتا ہے اور سکرپ سمندری جہاز میں گر جاتا ہے۔

اگرچہ زیادہ تر اشیاء مقناطیس سے کسی نہ کسی طرح متاثر ضرور ہوتی ہیں مگر اکثر یہ اثر بہت ہی معمولی ہوا کرتا ہے۔ اس اثر کے تحت یوں لگتا ہے کہ جیسے اس شے کے انجم چھوئے چھوئے مقناطیس بن

لوہے کی ایک اور منفرد خصوصیت اس کا مقناطیس اثر ہے جس کے تحت مقناطیس اس کو اپنی طرف کھینچتا ہے۔ نیز یہ خود بھی مقناطیس بننے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ مقناطیسیت ایک قسم کی توانائی ہے جو کہ ہمیشہ بجلی کے ساتھ ساتھ واقع ہوتی ہے۔ بجلی بھی دراصل توانائی ہی کی ایک اور قسم ہے۔ کوئی بھی تار، جس میں سے بجلی گزرتی ہے، ایک مقناطیس کی طرح کا طرز عمل ظاہر کرتا ہے۔ یعنی ایسا تار لوہے کے چھوئے چھوئے ٹکڑوں کو اپنی طرف کھینچے گا۔ یہ مسئلہ ابھی تک حل طلب ہے کہ دیگر عناصر کی نسبت لوہا اتنا زیادہ مقناطیس اثر کیوں رکھتا ہے۔

اگر ایسے تار کو جس میں سے بجلی گزر سکتی ہو، لمبے کی صورت میں لپیٹ دیا جائے تو ہر ایک چکر کی مقناطیسیت، نزدیکی چکر کی مقناطیسیت کے باعث بڑھتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ لمبے کی صورت میں تار کی مقناطیسیت سیدھے تار کی نسبت زیادہ ہوتی ہے۔ اگر یہی تار لوہے کی کسی صلاح کے گرد لپیٹ دیا جائے تو یہ صلاح ایک طاقتور مقناطیس بن جاتی ہے۔ ایسے مقناطیس کو برقی

جب آپ کے بال کنگھے کے ساتھ گرنے لگیں تو..... آپ مایوس نہ ہوں

لکھنؤ میں سر سیرینا ہیر ٹانک کا استعمال شروع کریں۔

یہ بالوں کو وقت سے پہلے سفید ہونے اور گرنے سے روکتا ہے۔



Mfd. by :

ROYAL PRODUCTS

1235, Ballimaran, Chandni Chowk, Delhi-6

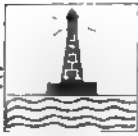
Tel. : 011-23940251

Distributor in Delhi :

M. S. BROTHERS

5137, Ballimaran, Delhi-6

Phone : 23958755



لانت ہاؤس

قد رقی طور پر پائے جانے والے سیاہ چٹانی مقناطیس کو میکانائٹ یا سنگ مقناطیس (Loadstone) کہا جاتا ہے۔ یہ لوہے کی ایک کچ دھات ہے اور لوہے کی اشیاء کو اپنی طرف کھینچنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ سب سے پہلے اس بات کا مشاہدہ یونان کے ایک قدیم ضلع میگنیٹیا میں کیا گیا تھا۔ اسی مناسبت سے انگریزی میں اس کچ دھات کو میکانائٹ (مقناطیس) اور اس کی اس خاصیت کو میگنازم (مقناطیسیت) کہا گیا۔ یونان کے قدیم لوگوں کے ذہنوں پر اس معدن نے گہرا اثر ڈالا تھا اور اسی لئے انھوں نے اس کے متعلق بہت سے سن گھڑت قصے اور مبالغہ آمیز کہانیاں بنا رکھی تھیں۔ ایک کتاب 'Arabian Nights' میں بھی اس طرح کی ایک کہانی ہمیں ملتی ہے جس میں سنگ مقناطیس کے ایک پہاڑ کو اتنا قوتور بتایا گیا ہے کہ سمندری جہاز بھی اس کے قریب سے نہیں گزر سکتے تھے۔ بلکہ سمندر میں اس سے دور ہی ظہر جاتے تھے۔ اگر کسی طرح سے یہ اس کے قریب آ بھی جات تو مقناطیس چٹان اس کی ٹخیں نکال کر اپنی طرف کھینچ لیتی اور جہاز کو لکڑی کے بے ترتیب ٹکٹوں کی صورت میں چھوڑ دیتی تھی۔

ہماری زمین بھی ایک بہت بڑے مقناطیس کی طرح ہے اور قطب نما وہ آلہ ہے جو زمین کی اس خاصیت کو جانپتا ہے۔ قطب نما

بچے ہوں۔ عام حالات میں یہ ایسی مقناطیس چاروں سمتوں میں کھڑے پڑے ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے ایک دوسرے کی توانائیوں کو زائل کرتے رہتے ہیں۔ تاہم برقی رو کی موجودگی سے پیدا ہونے والی مقناطیسیت کے تحت یہ انیم (خصوصاً لوہے کے انیم) ایک ہی سمت میں باقاعدہ قطار بنالیتے ہیں۔ یوں سارے جھونے چھونے مقناطیس مل کر ایک بڑا مقناطیس بنالیتے ہیں۔ پھر جیسے ہی برقی رو بند کی جاتی ہے تو یہ ایسی مقناطیس ایک بار پھر مختلف سمتوں میں بکھر جاتے ہیں۔ اس طرح سے لوہے کو عارضی طور پر مقناطیس بنایا جاسکتا ہے۔

فولاد کی زیادہ تر اقسام کا طرز عمل عموماً مختلف ہوا کرتا ہے۔ فولاد میں موجود انیم، لوہے میں موجود اینٹوں کی نسبت آسانی سے حرکت نہیں کر سکتے۔ اس لئے فولاد کے اینٹوں کو برقی رو کے ذریعے جب ایک دفعہ صحیح طور پر قطار میں لایا جاتا ہے تو یہ انیم برقی رو بند ہونے پر بھی اسی حالت میں برقرار رہتے ہیں۔ یوں فولاد کو مستقل طور پر مقناطیس بنایا جاسکتا ہے۔ نعل نما مقناطیس بھی فولاد ہی سے بنے ہوتے ہیں۔ کئی منصر مرکز در مقناطیس ہوتے ہیں۔ ایسے عناصر کو پُر مقناطیسی عناصر (Paramagnetic elements) کہا جاتا ہے۔ لوہے (اور چند ایک اور دھاتوں) کا طاقتور مقناطیس بننا کافی حد تک ایک دلچسپ خاصیت ہے۔ اسی وجہ سے لوہے کو لوہہ مقناطیس (Ferromagnetic) کہا جاتا ہے۔

WITH BEST COMPLIMENTS FROM:

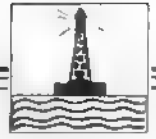
UNICURE (INDIA) PVT.LTD.

MANUFACTURERS OF DRUGS & PHARMACEUTICALS UNDER WHO NORMS

C-22, SECTOR-3, NOIDA-201301

DISTT. GAUTAM BUDH NAGAR (U.P)

PHONE	:	011-8-24522965	011-8-24553334
FAX	:	011-8-24522062	
e-mail	:	Unicare@ndf.vsnl.net.in	



لانت ہاؤس

دھاتیں حاصل نہیں کی جاسکیں۔

بعض کان کنوں نے اس رائے کا اظہار کیا کہ زیر زمین رہنے والے یوتوں نے اس کچھ دھات پر جادو کر دیا ہے۔ جرمنی زبان میں زمین کے اندر رہنے والے بھوت پریت کو ”کوبولڈ“ کہا جاتا ہے۔ یہیں سے نئے دریافت ہونے والے عنصر نمبر 27 کا نام ”کوبالٹ“ رکھا گیا۔ دوسری کچھ دھات کو کان کنوں نے ”Kupfer“ ”nickel“ کا نام دیا۔ اس کے معنی ہیں آبی تانبا۔ اس کے نام کے ساتھ تانبا کا لفظ اس لئے لگایا گیا کہ یہ کچھ دھات تانبے کی طرح مخصوص سرخ رنگ کی تھی۔ اس کے بعد اختصار کی خاطر اسے نکل کہا گیا۔ دوری جدول میں اس عنصر کا 28 واں نمبر ہے۔ 1735ء میں جارج برائنڈ نے پہلی دفعہ کوبالٹ خالص حالت میں حاصل کیا۔ جبکہ نکل کو 1751ء میں، نیکسل فریڈرک کرانٹز نے خالص حالت میں حاصل کیا۔ (باقی آئندہ)

میں مقن طبیعت رکھنے والی ایک فلوادی سوئی ہوتی ہے جو آزادانہ گھوم سکتی ہے۔ اس کے سرے زمین کے مقناطیسی قطبوں کی سمت میں واقع ہوتے ہیں۔ یوں یہ سرے ہمیشہ ایک ہی سمت میں آکر رکتے ہیں۔ یہ سمت زمین کی سطح پر واقع بہت سے علاقوں میں شمال اور جنوب ہوتی ہے۔

لوہے سے ملنے جلتے دو عناصر نے ابتداء میں جرمن کان کنوں کو خوب پریشان کر رکھا تھا۔ سب کان کنوں کو ان عناصر کی کچھ دھاتوں کے ٹکڑے ملے تو اس کی خاصیت کو سمجھنے میں انھیں مشکل پیش آئی۔ کیونکہ کچھ دھات کے یہ ٹکڑے درست نتائج نہیں دے سکتے تھے۔ جب معمول کے مطابق ان ٹکڑوں پر تجربات کئے گئے تو ان سے لوہے، چاندی اور تانبے جیسی معروف

ماہنامہ مسلم انڈیا - MUSLIM INDIA

امت کے دو معتبر انگریزی جریڈے

1983 سے ریسرچ اور دستاویزی خدمت مسلسل

یا خصوصی شمارہ 628 صفحات میں عام ماہانہ اشاعتیں کم از کم 68 صفحات میں

پندرہ روزہ ملی گزٹ THE MILLI GAZETTE

سالانہ اشتہار 275 روپے، وارنٹ 550 روپے
سالانہ اشتہار ایک ایر میں ہر ایک فرام 35 روپے، وارنٹ 70 روپے

اسلامی ماہنامہ کا نمبر ایک انگریزی اخبار

انٹرنٹ پر ہندوستان کے بڑے اخبارات میں شامل

32 صفحات، ہر شمارہ مسلمان سولہ ماہ اسلام کا مہینہ، اسلام

انصاف پسند مرقعہ، بین الاقوامی معیار

فی شمارہ 10/10 سالانہ اشتہار ایک ہندوستان 220/220 ایر میں ہر ایک ایر میں 30 روپے

تفصیلات کے لیے انٹرنٹ سائٹ www.milligazette.com دیکھیں

یا ابھی کی میٹل یا خط سے رابطہ قائم کریں۔

Pharos Media & Publishing Pvt Ltd

D-84, Abul Fazal Enclave-I, Jamia Nagar, New Delhi-25

Tel: (011) 2692 7483, 2682 2883

Email: info@pharosmedia.com



کئی نئی پیش کش

عطر ہاؤس

عطر (S9) مشک عطر (S9) بنوہ عطر

(S9) جنت الفردوس نیز (96) مجموعہ، عطر سیمی

کھوجاتی و تاج مار کہ سرمہ و دیگر عطریات

بول سیل ورٹیل میں خرید فرمائیں

مغلیہ ہالوں کے لئے جزی بونیوں سے تیار مہندی۔

ہر مل حنا اس میں کچھ ملانے کی ضرورت نہیں۔

مغلیہ چمن اینٹن جلد کو نکھار کر چہرے کو شاداب

بناتا ہے۔

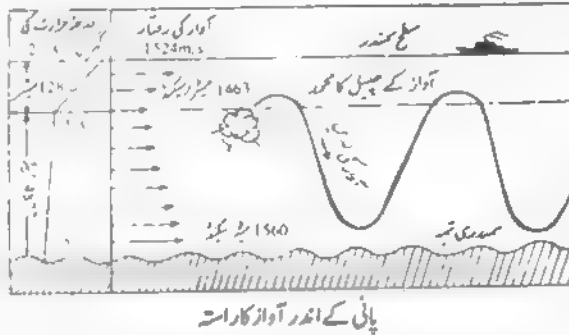
علمی راز 633 خلی قبر، جامع مسجد، دہلی 6

فون: 2326 6237



سمندر میں آواز کا ذریعہ

پانی کے اندر (سمندر میں) آواز کی لہریں ہزاروں کلومیٹر دور تک پہنچ سکیں گی۔ اس پیش گوئی نے اس وقت بہت سے سائنسدانوں کو چونکا کر رکھ دیا۔ اس کے بعد بہت جلد ہی اس کے نظریے کو عمل میں لانے کی کوشش کی گئی یعنی ایک تجربے سے اس بات کو ثابت کرنے کی کوشش کی گئی۔ سمندر کی ایک مقرر شدہ گہرائی پر ایک بم (دھماکہ پیدا کرنے والا) رکھ کر اسے آگ لگا دی گئی۔ جب یہ پھٹا تو اس کے دھماکے کی آواز ایک ہزار چار سو اڑتالیس (1,448) کلومیٹر سے بھی پرے سنائی دی۔ اس کے نتیجے میں سمندر میں آواز کے ذرائع مواصلات کی ٹیکنالوجی ایک نئے موڑ پر پہنچی۔



یہ بات تو ہر کوئی جانتا ہو گا کہ ریڈیو کی لہریں ہوا میں آزادانہ طور پر منتشر ہوتی ہیں۔ ریڈیو کی لہروں کے بغیر ذرائع خبر رسانی، نشر و اشاعت، ٹیلی ویژن اور ریڈار ناممکن ہیں۔ تاہم پانی کے اندر ریڈیو کی لہروں کو پھیلاؤ میں یا اشاعت میں بہت زیادہ مشکلات پیش آتی ہیں کیونکہ ان کی ایک بہت بڑی مقدار اس میں جذب ہو جاتی ہے آواز کے ساتھ ایسا نہیں ہوتا۔ پانی نہ صرف آواز کی بہت تھوڑی لہریں جذب کرتا ہے بلکہ ہوا کی نسبت پانی میں آواز کی لہروں کی رفتار زیادہ تیز ہوتی ہے۔ اس لئے آواز کی لہروں کو پانی میں نشر و اشاعت یا ذرائع خبر رسانی کے

طور پر استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح کے ذرائع مواصلات کا سراغ ہمیں بیسویں صدی کے اوائل کے دس سالوں (تیس سے تیس سالوں کے درمیان) میں ملتا ہے جبکہ ذرائع مواصلات کی پہنچ پانی میں صرف چند کلومیٹر تک محدود تھی۔ یعنی ہم اس ذرائع سے اپنا پیغام یا اپنی آواز فقط تھوڑے ہی فاصلے (چند کلومیٹر) تک ہی بھیج سکتے تھے۔ پھر سمندر میں آواز کی لہروں کی اشاعت کو دور تک پھیلانے کے لئے سائنس دانوں نے بہت بڑی تعداد میں تحقیقات کیں۔ 1943ء میں ایک ماہر بحریات نے سمندر کے اندر آواز کے ذرائع کی اشاعت کا نظریہ پیش کیا اور یہ پیش گوئی کی کہ



لانت ہاؤس

خلف ہے جہاں تک سورج کی روشنی بمشکل پہنچتی ہے اور سمندر کے پانی کی گہرائی پر کم درجہ حرارت اور کم انحصار کا حامل ہوتا ہے اس خفے کو کم درجہ حرارت والا خفہ کہا جاتا ہے۔

سطحی گرم حصے میں گہرائی میں اضافے سے درجہ حرارت گر جاتا ہے اور اس لئے آواز کی رفتار میں کمی واقع ہوتی جاتی ہے۔ جبکہ عین اسی وقت دباؤ میں شدت سے آواز کی رفتار میں اضافہ ہوتا ہے۔ تاہم جیسا کہ درجہ حرارت دو عناصر کا اجزائے ضربی ہے تو گہرائی میں اضافے کے ساتھ ساتھ آواز کی رفتار کم ہوتی جاتی ہے۔ کم درجہ حرارت والے خفے میں چونکہ دباؤ کی شدت غالب ہوتی ہے اس لئے یہاں پر سمندر کے پانی کی عمیق گہرائی

کے ساتھ ساتھ آواز کی رفتار میں اضافہ ہوتا جاتا ہے اور پر دیئے گئے آواز کے تذکرے سے یہ حاصل یا نچوڑا اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جہاں پر آواز کی رفتار کم سے کم ہو وہاں پر گہرائی ہوتی چاہئے اور اس سے چلی یا اوپر والی سطح پر آواز کی رفتار کا رخ اضافے کی جانب ہو گا۔ یہ گہرائی جہاں پر آواز کی رفتار کم سے کم ہے ”آواز کی گزر گاہ کے محور“ کے نام سے موسوم کی جاتی ہے۔ اگر آواز کا ذریعہ اس کی گزر گاہ کے محور کی گہرائی پر ہو، تب آواز کی لہریں آڑے ترچھے رخ پر نیچے کی طرف مڑتی ہوئی سفر کریں گی جہاں آواز کی رفتار بھی ترین ہو جاتی ہے۔ جب آواز کی لہریں مزید نیچے کی طرف جاتے ہوئے ”آواز کی گزر گاہ“ (Sound Channel)

قومی اردو کونسل کی سائنسی اور تکنیکی مطبوعات

- 1- فن خطائی و خوشنویسی اور مطبع امیر حسن نورانی 36/=
- 2- کلاسیکل برق و مقناطیسیت و اف کاف۔ ایچ 50/=
- 3- کولہ مترجم بی بی سکنہ نیس احمد صدیقی 22/=
- 4- گنے کی کمی سید مسعود حسن جعفری 28/=
- 5- گمریو سائنس (حصہ ہفتم) مترجم شیخ سیم ام 18/=
- 6- گمریو سائنس (حصہ ہفتم) مترجم یس۔ اے۔ رحمن 18/=
- 7- گمریو سائنس (ہفتم) مترجم چاندو سامری 28/=
- 8- حمد و چیو میٹری گورکھ پرشل اور ایچ سی گپتا ڈاکٹر احمد خاں 35/-
- 9- مسلم ہندوستان کا ذرا حق نظام ذلیو ایچ مودلی ڈاکٹر جمال محمد 20/50
- 10- مثل ہندوستان کا طریق دراعت عرفان حبیبہ جمال محمد 34/50
- 11- مطالعہ حقیم حبیب الرحمن خاں صابری 28/=

قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، وزارت ترقی انسانی وسائل

حکومت ہند ویسٹ بلاک، آر۔ کے۔ پورم۔ نئی دہلی۔ 110066

فون 610 3381، 610 3938 فیکس 610 8159

دہلی میں اپنے قیام کو خوشگوار بنائیے
شاہجہانی جامع مسجد کے سامنے



آپ کا منتظر ہے

آرم دہ کمرؤں کے علاوہ
دہلی اور بیرون دہلی کے واسطے
گاڑیاں، بسیں، ریل و ایئر بکنگ
نیز پاکستانی کرنسی کے تبادلے کی سہولیات
بھی موجود ہیں۔

فون نمبر: 2326 6478



کے محور کو بھی پار کر جاتی ہیں تو آواز کی رفتار بہت تیزی سے بڑھتی ہے اور دوبارہ آواز کی لہریں (خمیدہ شکل میں) درجہ بدرجہ اوپر کو مڑتی ہیں۔ یہ چکر (Cycle) بار بار واقع ہوتا ہے۔ پس اس طرح آواز کی لہریں بار بار اوپر نیچے آتی جاتی ہیں اور لہروں کی مانند آگے بڑھتی ہیں۔ اس طرح سے سمندر کے پانی کا اوپر والا اور نیچے والا خطہ آواز کی گزر گاہ کے وجود کی شکل میں ایک راستہ بناتا چلا جاتا ہے۔ جس میں سے آواز کی لہریں سفر کرتی ہیں۔

سمندر کے بہت ہی گہرے حصوں میں آواز جو کہ آواز کی گزر گاہ کے ساتھ ساتھ سفر کرتی ہیں نہ ہی سمندر کی تہ تک پہنچ سکتی ہیں اور نہ ہی اس کی سطح تک۔ اس لئے سمندر کی لہروں کی تمام قوت سمندر کے پانی میں بند ہو جاتی ہے۔ اس لئے آواز کی گزر گاہ کے ساتھ ذریعہ ترسیل ممکن ہے۔ ہم کے دھماکے والے تجربے کو جس میں کہ سمندر کی گہرائی میں ہم کا دھماکہ کیا گیا آواز کی گزر گاہ کے محور کے قرب و جوار میں عمل میں لایا گیا۔

آواز کے بارے میں اس معلومات سے لوگ سمندر کی تہ میں کوئی پیغام پہنچانے یا کسی خطرے سے خبردار کرنے کے لئے آواز کے چیل کو استعمال کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر میزائل پھینکنے کے بعد اس کے ٹکرانے کی جگہ معلوم کرنے کا کام یہ جاتا ہے۔ میزائل کا سہرا (Depth bomb) جو کہ آواز کے چیل کے سرے پر بھڑکایا جاتا ہے۔ جب میزائل کا سہرا پانی میں غوطہ کھاتا ہے تو یہ ہم کو زیادہ گہرائی پر جا کر پھٹتا ہے (Depth bomb) خود بخود آواز کے چیل کے محور پر جا کر بھڑک اٹھتا ہے۔ کافی فاصلے پر موجود خبردار کرنے والی چوکیاں (Monitoring station) دھماکے کی آواز دریافت کر سکتی ہیں۔ دھماکہ ہونے کا وقت نوٹ کر لیا جاتا ہے اور رفتار پہلے سے ہی معلوم ہوتی ہے چنانچہ وقت اور رفتار کو ضرب دے کر فاصلہ کا تعین کر لیا جاتا ہے۔

عبدالودود انصاری صاحب

کے قلم سے لکھی گئی تین بہترین کتابیں

قیمت 35 روپے	صفحات 72	پربندہ کوئز
قیمت 35 روپے	صفحات 72	جانور کوئز
قیمت 45 روپے	صفحات 72	کیڑا کوئز (مجلد)

آپ کی توجہ کی منتظر ہیں۔ آج ہی طلب کریں

تنویر بک ڈپو

112 جی ٹی روڈ، آسنسول۔ 713301



سائنس کوئز : 15

ہدایات:

- (۱) سائنس کوئز کے جوابات کے ہمراہ "سائنس کوئز اوپن" ضرور بھیجیں۔ آپ ایک سے زائد حل بھیج سکتے ہیں بشرطیکہ ہر حل کے ساتھ ایک کوپن ہو۔ فوٹو اسٹیٹ کئے گئے کوپن قبول نہیں کئے جائیں گے۔
- (۲) کسی بھی ماہ میں شائع ہونے والی کوئز کے جوابات اس سے اگلے ماہ کی دس تاریخ تک وصول کئے جائیں گے۔ اور اس کے بعد والے شمارے میں درست حل اور ان کے بھیجنے والوں کے نام شائع کیے جائیں گے۔
- (۳) مکمل درست حل بھیجنے والے کو ماہنامہ سائنس کے 12 شمارے، ایک خطی والے حل پر 6 شمارے اور 2 خطی والے حل پر 3 شمارے بطور انعام ارسال کئے جائیں گے۔ ایک سے زائد درست حل بھیجنے والوں کو انعام بذریعہ قرعہ اندازی دیا جائے گا۔
- (۴) کوپن پر اپنا نام، پتہ، خط و تحفظ اور معین کوڈ کے لکھیں۔ نام مکمل پتے والے حل قبول نہیں کئے جائیں گے۔

- | | | |
|---|---|---|
| (۱) انگریز ہارڈ ویئر (Micro Processor) | (الف) پودوں کو لمبا کرنا | (د) جان پلنٹ |
| کے موجود ہیں | (ب) پھل پکانے میں مدد کرنا | (۶) کس تیزاب (Acid) کی زیادتی سے ہمیں تھکان محسوس ہوتی ہے؟ |
| (الف) ریڈ ہاف | (ج) پتوں کو جھڑنے سے روکنا | (الف) اسپارک ایسڈ |
| (ب) ایڈورڈ ہاف | (د) ان میں سے کوئی نہیں | (ب) بیٹریک ایسڈ |
| (ج) ڈینس رچی | (۴) خون پورے جسم کا ایک چکر لگانے میں کتنا وقت لیتا ہے؟ | (ج) لیک ٹک ایسڈ |
| (د) ولیم شاکلے | (الف) 39 سیکنڈ | (د) ان میں سے کوئی نہیں |
| (2) فلٹرز کا لال رنگ کس کیمیائی مادے کی وجہ سے ہوتا ہے؟ | (ب) 23 سیکنڈ | (7) زوفائٹ (Zoophyte) کیا ہیں؟ |
| (الف) لاگوپٹین | (ج) 15 سیکنڈ | (الف) ایسے حیوانات جو نباتات کی طرح دکھائی دیتے ہیں |
| (ب) میٹانوسائنس | (د) 31 سیکنڈ | (ب) ایسے نباتات جو حیوانات کی طرح دکھائی دیتے ہیں |
| (ج) کرومین | (5) رنگین کالج کے موجود کون تھے؟ | (ج) ایسی جگہ جہاں جانوروں اور بیڑ پودوں دونوں کو رکھا جاتا ہے |
| (د) کریمین | (الف) آگس برگ | |
| (3) ہارمون اتھیلین (Ethylene) کا کیا کام ہے؟ | (ب) ایڈون پھر | |
| | (ج) ڈوائڈنٹ مین | |



لانت ہاؤس

صحیح جوابات کو تیز 13

- 1-ج 2-د 3-الف
4-ج 5-ج 6-الف
7-پ 8-ج 9-ب
10-ج 11-الف 12-الف
13-د 14-ب 15-ج
انعام یافتگان:

مکمل درست حل:

سعید احمد خان و مدثری خانم عبدالمطیف
خاں (خریداری نمبر: 44/2-1) منڈی

بازار، مہاجوکانی۔ 431517

(آپ کی مدت خریداری میں یک سال کا
اضافہ کیا جا رہا ہے)

ایک غلطی والا حل: (دریہ قرہ مداری)
ابو الفضل عبداللہ، مسجد پولیس اسٹیشن،

نیشنل روڈ علی ٹرہہ۔ 202001

(آپ واپسی پتہ پر 6 شمارے ماہ کتوبر سے
روانہ کیے جائیں گے۔)

ایک غلطی والے دیگر حل

عظمی پروین بنت شیخ خلیل احمد،

مان ٹکی حزیں پور، تھانہ۔

محمد نعمت اللہ بی۔ یو۔ ایم۔ ایس

(سہا دوم) علی ٹرہہ مسرہ یونورٹی۔

محمد حذیقہ عمر، اہلی باغ کاشی ناہور،

انعام الحق لون، ہارہولہ کشمیر

اسامہ جلال الدین قاسمی، اسامہ پورہ، بنگالو

محمد اعظم ندوی، اسلام آباد ٹیٹس سینٹر، بنگلور

(الف) سلور نائٹریٹ

(Silver Nitrate)

(ب) سلور فلورائیڈ

(Silver Floride)

(ج) سلور آیوڈائیڈ

(Silver Iodide)

(د) سلور فاسفیٹ

(Silver Phosphate)

(13) بال اور تانہ کی نشوونما کے لیے یہ

ضروری ہے؟

(الف) گندھک

(ب) آئیوڈین

(ج) فلورین

(د) کل

(14) "تازہ بین کا تیل" کس درخت سے

حاصل کیا جاتا ہے؟

(الف) جامن

(ب) دیودار

(ج) کھیر

(د) چتر

(15) جگنو کی جب کس مادے کے ذریعہ

ہوتی ہے؟

(الف) سیکورین

(ب) لائیکوپروٹین

(ج) لوسیفرین

(د) مارفین

(د) ان میں سے کوئی نہیں

(8) بنیادی رنگ ہیں

(الف) پیلا، لال، نیلا

(ب) لال، ہر، سفید

(ج) لال، ہر، نیلا

(د) لال، ہر، پیلا

(9) بجلی کا بلب کس کا جھجکا بنا ہوتا ہے؟

(الف) فلٹ کا جھجکا

(ب) کراؤن کا جھجکا

(ج) کرسٹل کا جھجکا

(د) گیس کا جھجکا

(10) جسمانی حرارت

(Body Temperature) کو کنٹرول

کرنے والا حصہ ہے:

(الف) ہائپو تھیمس (Hypothalamus)

(ب) نڈران

(ج) فیرومین

(د) سیربرم

(11) سانس کے ذریعہ جسم میں کثیر مقدار

میں مینگنیز (Manganese) چٹے جانے

سے کون سی بیماری ہوتی ہے؟

(الف) نیومونیا

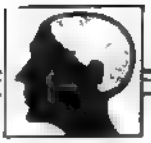
(ب) پاگل پن

(ج) رشتہ دہلی بخار

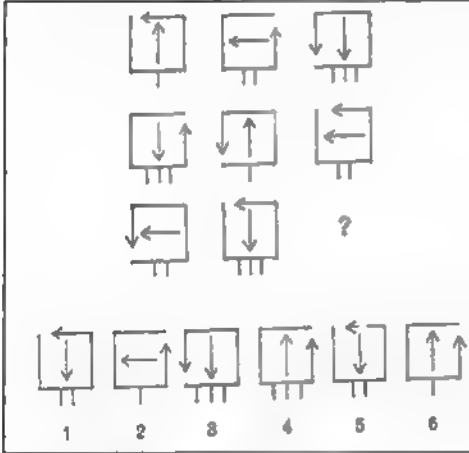
(د) فائبرلیریا

(12) مصنوعی بارش کے لیے کون سا

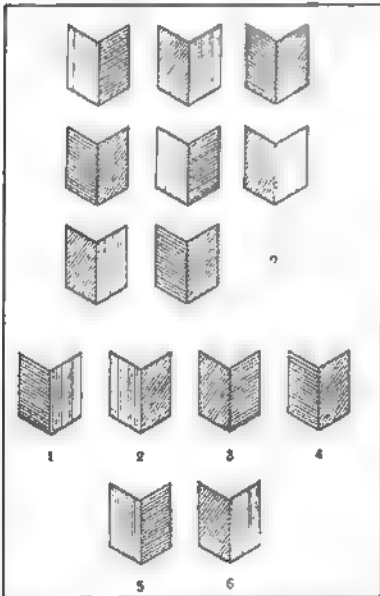
کیمیائی مادہ استعمال کیا جاتا ہے؟



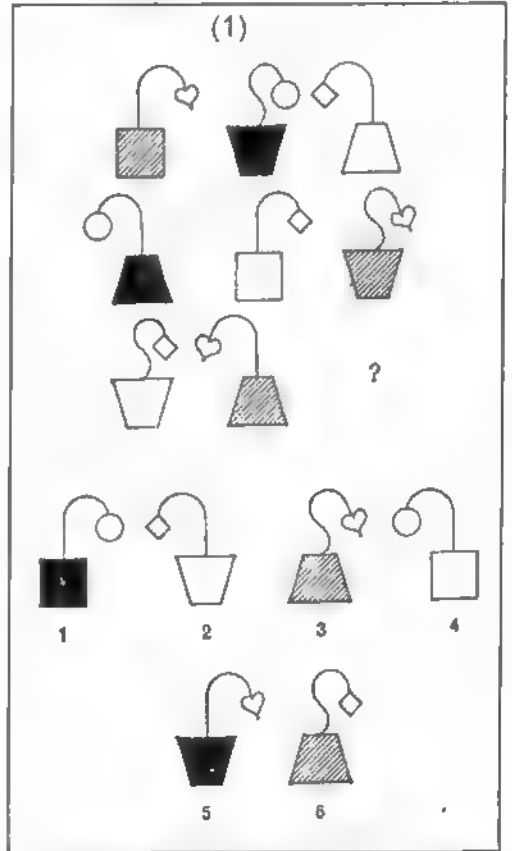
کسوٹی
3



نیچے دیئے گئے سیٹوں (1-3) میں سے ہر ایک سیٹ میں ایک جگہ خالی ہے اور ساتھ ہی اس میں فٹ ہونے والے ممکنہ ذراؤں کے (2) چھ نمونے دیئے گئے ہیں۔ آپ کو یہ بتانا ہے کہ کس خالی جگہ پر کس نمبر کا ذراؤ آئے گا؟



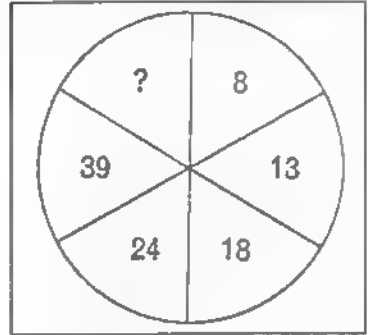
(3)





کسوٹی

(4) سوایہ نشان کی جگہ پر کون سا عدد آئے گا؟



16 (27) 43 (5)
29 (?) 56

صحیح جوابات کسوٹی نمبر: 1

5 (1)
1 (2)
6 (3)

(4) 25 بریکٹ سے باہر کے سبکی اعداد کو جمع کر لیں۔

(5) 3 ہر عدد اپنے سے پہلے والے عدد میں 2 جمع کرنے اور پھر اسے

2 سے تقسیم کرنے پر حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً $4+2=6$ ، $3=6/2$

کامیاب شرکاء:

مکمل درست حل:

انوری رحمانی، انوری ہاؤس، عزیز پورہ، نزد کالی مسجد بیڑ۔

محمد الیس خاں معرفت ڈاکٹر ایم ایم خاں منڈی بازار، امبہ جوگائی بیڑ۔ 431517

ایم۔ این۔ صدیقی ولدہ محمد عظیم الدین صدیقی نزد شی فنانکشن ہال قادر آباد پٹ

پر بمبئی۔ 431401

ایک غلطی:

فاضل شفیق بیٹ ولدہ مرحوم محمد شفیق بیٹ اکرام، ڈسٹرکٹ تحصیل است ناگ

کشمیر۔ 192201

**SERVING
SINCE THE
YEAR 1954**



**011-23520896
011-23540896
011-23675255**

BOMBAY BAG FACTORY

8777/4, RANI JHANSI ROAD, OPP. FILMISTAN FIRE STATION
NEW DELHI- 110005

3377, Baghichi Achheji, Bara Hindu Rao, Delhi- 110006

Manufacturers of Bags and Gift Items

for Conference, New Year, Diwali & Marriages

(Founder: Late Haji Abdul Sattar Sb. Lace Waley)



INTEGRAL UNIVERSITY

Established under the Integral University Act 2004 (U.P. Act No. 9 of 2004)

Kursi Road, Lucknow - 226 026

Phone Nos: 0522- 2896612, 2896736, 3096117, Fax No. 0522- 2896699

Integral University, Lucknow has been established by the State Govt. vide U.P. Govt. Gazette Notification No. 9 of 2004 dated 27th Feb. 2004 by elevating the famous Institute of Integral Technology, Kursi Road, Lucknow on account of its excellent academic performance in a highly disciplined, decorous and vibrating environment.

THE INTELLECTUAL RESOURCES

A team of highly devoted dedicated and well qualified Faculty Members with valuable & diversified talents and expertise in various fields is available in the University. All faculty members of Engineering and other departments are highly experienced Professors from IITs & Roorkee University. Renowned names in academics are (i) Prof. (Dr.) M.M. Hasan Ex. Prof. IIT, Kanpur, (ii) Prof. (Dr.) M.I. Khan remained associated with MNR Allahabad and Roorkee University, (iii) Prof. Bal Gopal Ex. Professor HBTI, Kanpur (iv) Prof. D.C. Thapar Ex. Prof. Govt. College of Architecture Lucknow, who has been twice awarded for his lifetime achievement by the H.E. Governor of U.P., as well as Architecture Association (v) Prof. Mansoor Ali, who served Roorkee University for about 35 years (vi) Alok Chauhan HOD of Computer Application with excellent experience in India and Germany in Computer Applications and Information Technology.

AREA OF EMPHASIS

The main emphasis is given on the all-round personality development of students to face the challenges of the new technological era. This is achieved by means of arranging special workshops, interaction with the experts of key industries through Guest Lectures to sharpen the skill of Mass Communication of students. This builds-up the confidence and excellent abilities in students and thus they are prepared for the need base requirement of Industries.

UNIQUE FEATURES

- 33 acre sprawling campus on the green outskirts of city with modern buildings.
- Well equipped Labs and Workshop.
- State-of-Art- Computer Centres (with P IV machines fully air-conditioned & all the latest peripheral devices & S/W support) to accommodate MCA & B.Tech. student and provide them with innovative development environment
- Comp.Aided Design Labs equipped with PIV machines and software support providing latest technologies in the field of IT and Comp. Engg.
- State-of-Art- library with large nos.of.books, CD's and journals covering latest advancements.
- Well established Training & Placement Cell.
- ISTF Student Chapter.
- Publication of Newsletters, Annual Magazine etc.
- Conducting Technical seminars, Lectures for National/ International organizations.

STUDENTS FACILITIES

- In campus banking facility
- Facility of Education loan through PNB
- Indoor/Outdoor games facility
- Good hostel facilities for boys & girls.
- Transportation facilities.
- In campus Retail store & PCO with STD facility
- Medical facility within campus.
- Elaborately planned security arrangements.
- 24 hours broadband Internet, comprising of high - end- systems. Each providing a band width of 64kbps to provide high capacity facilities.
- Educational Tours.
- In Campus book-shop, canteen, gymnasium & Student activity centre
- Old boys association centre.

Selected for world Bank Assistance under TEQIP on account of Education Excellence

خریداری / تحفہ فارم

اردو سائنس ماہنامہ

میں "اردو سائنس ماہنامہ" کا خریدار بننا چاہتا ہوں / اپنے عزیز کو پورے سال بطور تحفہ بھیجنا چاہتا ہوں / خریداری کی تجدید کرنا چاہتا ہوں (خریداری نمبر) (رسالے کا زر سالانہ بذریعہ مٹی آرڈر / چیک / ڈرافٹ روانہ کر رہا ہوں۔ / رسالے کو درج ذیل پتے پر بذریعہ سادہ ڈاک / رجسٹریڈ ارسال کریں:

پتہ

نام

پن کوڈ

نوٹ:

- 1- رسالہ / رجسٹریڈ ڈاک سے منگوانے کے لیے زر سالانہ = 360 روپے اور سادہ ڈاک سے = 180 روپے ہے۔
- 2- آپ کے زر سالانہ روانہ کرنے اور ادارے سے رسالہ جاری ہونے میں تقریباً چار ہفتے لگتے ہیں۔ اس مدت کے گزر جانے کے بعد ہی یاد دہانی کریں۔
- 3- چیک یا ڈرافٹ پر صرف "URDU SCIENCE MONTHLY" ہی لکھیں۔ دہلی سے باہر کے چیکوں پر = 50 روپے زائد بطور بینک کمیشن بھیجیں۔

پتہ : 665/12 ذاکر نگر، نئی دہلی۔ 110025

ضروری اعلان

بینک کمیشن میں اضافے کے باعث اب بینک دہلی سے باہر کے چیک کے لیے = 30 روپے کمیشن اور = 20 روپے برائے ڈاک خرچ لے رہے ہیں۔ لہذا قارئین سے درخواست ہے کہ اگر دہلی سے باہر کے بینک کا چیک بھیجیں تو اس میں = 50 روپے بطور کمیشن زائد بھیجیں۔ بہتر ہے رقم ڈرافٹ کی شکل میں بھیجیں۔

ترسیل زر و خط و کتابت کا پتہ : 665/12 ذاکر نگر، نئی دہلی۔ 110025

پتہ برائے عام خط و کتابت : ایڈیٹر سائنس پوسٹ باکس نمبر 9764

جامعہ نگر، نئی دہلی۔ 110025

سوال جواب کوپن

نام.....
 عمر.....
 تعلیم.....
 مشغلہ.....
 مکمل چہ.....
 پن کوڈ..... تاریخ.....

سائنس کوئز کوپن

نام.....
 تعلیم.....
 خریداری نمبر (برائے خریدار).....
 آرڈر کان سے خرید ہے تو دکان کا پتہ.....
 مشغلہ.....
 گھر کا پتہ.....
 پن کوڈ..... فون نمبر.....
 اسکول/دکان ر آفس کا پتہ.....
 پن کوڈ.....

کاوش کوپن

نام..... عمر.....
 کلاس..... سیکشن.....
 اسکول کا نام و پتہ.....
 پن کوڈ.....
 گھر کا پتہ.....
 پن کوڈ..... تاریخ.....

شرح اشتہارات

مکمل صفحہ	2500/=	روپے
نصف صفحہ	1900/=	روپے
چوتھائی صفحہ	1300/=	روپے
دوسرا و تیسرا کور (ایک اینڈ وہائٹ)	5,000/=	روپے
ایضاً (ملٹی کلر)	10,000/=	روپے
پشت کور (ملٹی کلر)	15,000/=	روپے
ایضاً (دو کلر)	12,000/=	روپے

چھ اندراجات کا آرڈر دینے پر ایک اشتہار مفت حاصل کیجئے۔

کمیشن پر اشتہارات کا کام کرنے والے حضرات رابطہ قائم کریں۔

● رسالے میں شائع شدہ تحریروں کو بغیر حوالہ نقل کرنا ممنوع ہے۔

● قانونی چارہ جوئی صرف دہلی کی عدالتوں میں کی جائے گی۔

● رسالے میں شائع شدہ مضامین میں حقائق واعداد کی صحت کی بنیادی ذمہ داری مصنف کی ہے۔

● رسالے میں شائع ہونے والے مواد سے مدیر، مجلس اوارت یا ادارے کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

اونز، برنر، پبلشر شاہن نے کلاسیکل پرنٹرز 243 چاوڑی بازار، دہلی سے چھپوا کر 665/12 ڈاکٹر نگر نئی دہلی۔ 110025 سے شائع کیا۔
 بانی و مدیر اعزازی: ڈاکٹر محمد اسلم پرویز

قیمت	نمبر شمار کتاب کا نام	قیمت	نمبر شمار کتاب کا نام
180.00 (اردو)	27- کتاب الحادی۔ III	19.00	1- ایسٹنک آف کاسن ریڈیز ان یونانی سسٹم آف میڈیسن
143.00 (اردو)	28- کتاب الحادی۔ IV	13.00	2- انٹنس
151.00 (اردو)	29- کتاب الحادی۔ V	36.00	3- ہندی
360.00 (اردو)	30- المعالجات البقرانیہ۔ I	16.00	4- پنجابی
270.00 (اردو)	31- المعالجات البقرانیہ۔ II	8.00	5- تامل
240.00 (اردو)	32- المعالجات البقرانیہ۔ III	9.00	6- تیلگو
131.00 (اردو)	33- صوان الانبانی طبقات الاطباء۔ I	34.00	7- کنڑ
143.00 (اردو)	34- صوان الانبانی طبقات الاطباء۔ II	34.00	8- اڑبھ
109.00 (اردو)	35- رسالہ جدید	44.00	9- سمرجاتی
34.00 (انگریزی)	36- فریکویمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمیسیشن۔ I (انگریزی)	44.00	10- عربی
50.00 (انگریزی)	37- فریکویمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمیسیشن۔ II (انگریزی)	19.00	11- بنگالی
107.00 (انگریزی)	38- فریکویمیکل اسٹینڈرڈس آف یونانی فارمیسیشن۔ III (انگریزی)	71.00 (اردو)	12- کتاب الجامع لغردات الادویہ والاغذیہ۔ I
86.00 (انگریزی)	39- اسٹینڈرڈ ڈائریکشن آف سٹریکچرل ڈرگس آف یونانی میڈیسن۔ I (انگریزی)	86.00 (اردو)	13- کتاب الجامع لغردات الادویہ والاغذیہ۔ II
129.00 (انگریزی)	40- اسٹینڈرڈ ڈائریکشن آف سٹریکچرل ڈرگس آف یونانی میڈیسن۔ II (انگریزی)	275.00 (اردو)	14- کتاب الجامع لغردات الادویہ والاغذیہ۔ III
	41- اسٹینڈرڈ ڈائریکشن آف سٹریکچرل ڈرگس آف یونانی میڈیسن۔ III	205.00 (اردو)	15- امراض قلب
188.00 (انگریزی)	42- کیمسٹری آف میڈیسیل پلانٹس۔ I	150.00 (اردو)	16- امراض دیر
340.00 (انگریزی)	43- دی کنسپٹ آف برتھ کنٹرول ان یونانی میڈیسن (انگریزی)	7.00 (اردو)	17- آئینہ سرگزشت
131.00 (انگریزی)	44- کنٹری بیوٹن ٹوی یونانی میڈیسیل پلانٹس فرام نار تھ	57.00 (اردو)	18- کتاب المعمدونی الجراحہ۔ I
143.00 (انگریزی)	45- میڈیسیل پلانٹس آف گوایا فورسٹ ڈویژن	93.00 (اردو)	19- کتاب المعمدونی الجراحہ۔ II
26.00 (انگریزی)	46- کنٹری بیوٹن ٹوی میڈیسیل پلانٹس آف علی گڑھ	71.00 (اردو)	20- کتاب الکلیات
11.00 (انگریزی)	47- حکیم اجمل خاں۔ دی وریٹینل جنٹس (کلکٹا، انگریزی)	107.00 (عربی)	21- کتاب الکلیات
71.00 (انگریزی)	48- حکیم اجمل خاں۔ دی وریٹینل جنٹس (جسپر بیک، انگریزی)	169.00 (اردو)	22- کتاب المصوری
57.00 (انگریزی)	49- کلینیکل اسٹڈی آف ضیق النفس	13.00 (اردو)	23- کتاب الابدال
05.00 (انگریزی)	50- کلینیکل اسٹڈی آف وضع الفاصل	50.00 (اردو)	24- کتاب التیسیر
04.00 (انگریزی)	51- میڈیسیل پلانٹس آف آندھرا پردیش	195.00 (اردو)	25- کتاب الحادی۔ I
164.00 (انگریزی)		190.00 (اردو)	26- کتاب الحادی۔ II

ڈاک سے منگوانے کے لیے اپنے آرڈر کے ساتھ کتابوں کی قیمت بذریعہ بینک ڈرافٹ، جوڈائر کنٹر۔ سی۔ سی۔ آر یو ایم نئی دہلی کے نام بنا ہو پیشگی روانہ فرمائیں۔ 100/00 سے کم کی کتابوں پر محصول ڈاک بذریعہ خریدار ہوگا۔ کتابیں مندرجہ ذیل پتہ سے حاصل کی جاسکتی ہیں:

URDU **SCIENCE** MONTHLY

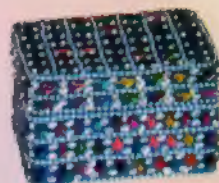
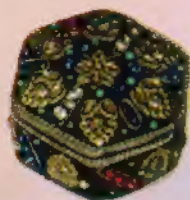
665/12 Zakir Nagar New Delhi - 110025

RNI Regn. No . 57347/94 Postal Regn. No .DL 11337/2003-04-05. Licence to Post Without Pre-payment at New Delhi P.SO New Delhi 110002

Posted on 1st & 2nd of every month. Licence No .U(C)180/2003-04-05. **OCTOBER 2004**

Indec *Overseas*

Exporter of Indian Handicrafts



We have wide variety of.....

Costume Jewelry, Accessories, X-Mass decoration,

Glass Beads, Photo frames, Candle Stand, Nautical, Boxes, Hand Bags etc.

Contact person: S.M.Shakil

E-Mail: indecc@del3.vsnl.net.in

URL: www.indec-overseas.com

Tel.: (0091-11) 23941799, 23923210

793, Katra Bashir Ganj, Ballimaran,

Chandni Chowk, Delhi 110 006

(India)

Telefax: (0091-11) - 23926851